اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت
لہٗ دعوۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر ۲۱
شمارہ نمبر ۵
جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ
فروری ۱۹۸۶ء

مدیر : سمیع الحق

اس شمارے میں

★

ـــــ بدل اشتراک ـــــ

پاکستان میں سالانہ	۴۰/- روپے	بیرون ملک	بحری ڈاک چھ پونڈ
فی پرچہ	چار روپے	بیرون ملک	ہوائی ڈاک دس پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

شریعت بل کے لئے تحریک چلائیے

ریفرنڈم اور انتخابات کے بعد نئی سویلین حکومت قائم ہوئی۔ مارشل لاء بھی اٹھا لیا گیا۔ مگر آٹھ سال کے طویل عرصہ میں قانونِ شریعت کا نفاذ اور اسلامائیزیشن کے عمل کی تکمیل تو کجا اب کے جمہوری دور میں گذشتہ دور کے کئے گئے بعض اسلامی اقدامات کی حیثیت بھی کمزور اور مخدوش ہوتی جا رہی ہے۔

جنابِ صدر اور نئی حکومت کی ساری توجہات کا محور مارشل لاء کے خاتمے، جمہوریت کی بحالی، اختیارات کی تقسیم سیاسی پارٹیاں، وزارتیں اور اقتدار کے تحفظ و استحکام جیسے مسئلے تو بن گئے مگر ملک کے جمہور کی عظیم اکثریت جو روزِ اوّل سے نظامِ شریعت، قرآنی دستور اور اسلامی آئین کیلئے تڑپ رہی ہے کہ صحیح جمہوری حقوق اور قدیم ترین مطالبہ (نفاذِ شریعت) کو پس منظر میں ڈال کر جمہوری اقدار کو پامال کیا جا رہا ہے۔

اب اگر ایک طرف لادینی عناصر ایک قوت بن کر دینی احکام سے کھلی بغاوت، اسلامی قوانین اور مذہبی شعائر کا کھلم کھلا مذاق اڑانے کے منصوبے بنا کر میدان میں اتر آئے ہیں، دین دشمن طاقتیں جو غیر ملکی ایجنٹ اور بڑی طاقتوں کے آلۂ کار ہیں ایک خاص منصوبہ بندی کے ساتھ ملک کو ایک روح فرسا اور بدترین انقلاب اور طوفان بلاخیز سے دوچار کرنے کی راہ اختیار کر چکے ہیں۔ خدا نہ کرے کہ ملکی سالمیت اور ملی وحدت کا سفینہ ساحلِ مراد پر پہنچنے سے قبل سیلاب کی نظر ہو جائے۔ ولا فعلہا اللہ۔ ایسے حالات میں کشتیٔ ملّت کو منجدھار اور متلاطم طوفان سے نکالنے اور سالمیت و عافیت سے ساحلِ مراد تک پہنچانے کا صرف اور صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے نظامِ شریعت کا مکمل نفاذ —— جو ملکی سالمیت، بقاء و تحفظ، ترقی و استحکام، معاشی عدل و انصاف قوم کی فکری و جذباتی ہم آہنگی، اتحادِ امت اور وحدتِ ملّت کا ضامن ہے۔

الحمد للہ کہ سینٹ کے پہلے ہی اجلاس کے آخری دن ۱۳ر جون ۱۹۸۵ء کو مدیر الحق مولانا سمیع الحق اور مولانا قاضی عبدالطیف نے سینٹ میں اسلامی نظام اور قرآنی دستور کا ایک آئینی خاکہ "شریعت بل" کے نام سے پیش کر دیا۔ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ رفقاء و اراکین کے بھرپور جد و جہد سے اسے بحث کیلئے منظور کر لیا گیا۔

کاش! حکومت محض نعروں، بے مقصد وعدوں اور پروپیگنڈے کی بجائے بغیر کسی ہچکچاہٹ، لیت و لعل اور خوفِ لومۃ لائم کے اپنے اثر و رسوخ سے اسے ایوان سے منظور کرا لیتی تو آج ملکی حالات کا نقشہ کچھ اور ہوتا

ہ شریعت بل کو پیش ہوئے اب ۱۰ ماہ ہونے کو ہیں کہ ملک و بیرون ملک کی اسلام دشمن طاقتیں اور لادینی عناصر
ریعت بل کو ناکام بنانے کی سرتوڑ کوششوں میں مصروف کار ہیں ___ بعض ذمہ دار سرکاری حلقوں کیطرف سے بھی
ریعت بل کو ٹالنے، التواء اور سرد خانے میں ڈال دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ حال ہی میں تین ماہ کے لئے شریعت
ل مشتہر کرنے کی تجویز بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے مگر بحمداللہ علوم نبوت کے ورثاء، ارباب علم وفضل،
ر اور ملک بھر کا ذی شعور طبقہ بالخصوص ولی اللّٰہی مشن کی علمبردار جماعت جمعیۃ علماء اسلام کے اکابرین اور معاملہ فہم
دین اسلامی آئین کے اس نازک ترین مرحلہ وامتحان کے موقعہ پر وقت کھوئے بغیر میدان عمل میں کود آئے ہیں۔

حال ہی میں کراچی کی عظیم مثالی اور تاریخی نفاذ شریعت کانفرنس اور علماء کراچی کی شریعت بل کی دستخطی مہم فوری
یع تحریک پاکستان کے غیور شہریوں کے دینی و سیاسی شعور اور ان کے قومی و ملی جذبات، ملکی حالات اور مستقبل
کردار و خدمات کے عزائم اور ہر باطل قوت کے خلاف بغاوت و اعلان جہاد سے پورے ملک میں بیداری کی
دوڑ گئی ہے۔ چنانچہ چند ایک دنوں میں کراچی سے لیکر پشاور تک شریعت بل کے فوری نفاذ کیلئے دستخطی مہم عروج
پہنچ چکی ہے۔ جو اہل اقتدار اور ارباب بسط وکشاد کیلئے اتمام حجت اور ایک عظیم چیلنج کی صورت اختیار کر
ہے۔

لھذا جن حضرات کو تاحال شریعت بل کی دستخطی مہم کے بارہ میں معلومات نہ پہنچی ہوں یا ابھی تک شریک
ئے ہوں انہیں بھی اس تحریر کے بعد نفاذ شریعت کی اس تحریک میں فوراً خود بھی اور دوسروں کو بھی شامل کرنے
شش کرنی چاہئیں۔ بالخصوص علماء دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء کو تو اس میں قائدانہ کردار ادا کرنا چاہئیے۔

اگر خدانخواستہ اس موقعہ پر بھی فہم و تدبر، تجربات ماضی کا شعور، عاقبت اندیشی اور ملی و سیاسی سوجھ بوجھ
ظاہرہ نہ کیا گیا اور حسب سابق (خواہ حکمران ہوں یا پارلیمنٹ کے ممبر یا عوام ہوں یا ملک کے باشندے)
یعت بل کی منظوری اور نفاذ تحریک شریعت میں عملاً حصہ لینے کے بجائے محض تماشائی بن کر مستقبل سے آنکھیں
کے مجرمانہ سکوت اور غفلت کا ارتکاب کیا گیا تو خطرہ ہے کہ سرخ انقلاب اور باطل نظریات کا سیلاب
کی طوفان رسیدہ اور ہچکولے کھاتی ہوئی "نیا" کو بے نہ ڈبو دے۔

شریعت بل کی منظوری و نفاذ کی دستخطی مہم کے سلسلہ میں کراچی کے اکابر علماء مفتی اعظم پاکستان مفتی مولانا
حسن صاحب، مولانا مفتی احمد الرحمن صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی کی ایک اپیل بھی درج کی
رہی ہے جس سے معاملہ کی اہمیت اور ضرورت پر مزید روشنی پڑے گی ___________ :

مکرم و محترم زیدت عنایاتھم ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مزاج گرامی! آنجناب کو معلوم ہوگا کہ مولانا سمیع الحق اور قاضی عبداللطیف کا پیش کردہ "شریعت بل" سینٹ
زیر بحث رہا۔ اور اب سینٹ نے اسے عوام کی رائے معلوم کرانے کے لئے اخبارات میں مشتہر کرا دیا (اسکی کاپی

آپ کی خدمت میں بھیجی جارہی ہے۔) ملک کے تمام لادینی طبقات و افراد کی کوشش ہے کہ "شریعت بل" نافذ نہ ہو۔ اس کے لئے اخبارات و رسائل میں مضامین لکھے جارہے ہیں اور ان طبقات کی سرتوڑ کوشش ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کی آراء اس بل کی مخالفت میں سینٹ کے سیکرٹریٹ کو بھجوائیں۔ اس ضمن میں ہر وہ شخص، جو اس ملک میں اسلام کا بول بالا دیکھنا چاہتا ہے، اس کا فرض ہے کہ اس بل کی حمایت اور لادینی طبقات کی مساعی مشئومہ کو ناکام بنانے میں اپنا بھرپور کردار ادا کرے اور اس کے لئے جو کوشش بھی ممکن ہو، کر گزرے ورنہ اندیشہ ہے کہ لادینی طبقات اس ملک میں "شریعت بل" کو ہمیشہ کے لئے دفن کرادیں۔ اور شریعت کی بالادستی کا نام لینا بھی ممکن نہ رہے۔

بہرحال یہ "شریعت بل" موجودہ صورت حال میں اہل ملک کے ایمان و نفاق کے پرکھنے کی کسوٹی بن گیا ہے اس لئے کوئی مسلمان جس کے دل میں خدا اور رسول کی عظمت ہو اور وہ شریعت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر ایمان رکھتا ہے۔ اسکی طرف سے اس بل کی حمایت نہ ہو، خدا اور رسولؐ سے غداری کے مترادف ہے۔۔۔ اس سلسلہ میں آنجناب سے درخواست ہے کہ مندرجہ ذیل تجاویز پر عمل فرمائیں، اور ایک تحریک کے طور پر دوسروں کو بھی ان تجاویز پر عمل کرنے کی تلقین کریں۔

۱۔ ہر مسجد میں جمعہ کے خطبات میں شریعت بل کا متن پڑھ کر سنایا جائے۔ اسکی اہمیت و ضرورت پر روشنی ڈالی جائے، اور اس مضمون کی قرار دادیں منظور کرائی جائیں کہ ہم اس بل کی مکمل حمایت کرتے ہیں۔ اس کو بغیر کسی مزید ترمیم کے فی الفور نافذ کیا جائے۔

۲۔ ہر علاقے اور حلقے کے علماء، وکلاء، اداروں، تنظیموں اور عوام کی طرف سے شریعت بل کی حمایت میں خطوط بھیجے جائیں، آپ کے علاقے میں کوئی ایسا فرد نہیں ہونا چاہئے جسکی طرف سے اسکی حمایت نہ کی جائے۔

۳۔ اس سلسلے میں جلسے منعقد کئے جائیں اور ان جلسوں کے ذریعہ عوام کے جذبات سینٹ اور حکومت تک پہنچائے جائیں۔

۴۔ مختلف افراد اداروں کیطرف سے اخبارات و اشتہارات کے ذریعہ حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ "شریعت بل" کو ٹال کر خدا اور رسول کے غضب کو دعوت نہ دے، ورنہ اندیشہ ہے کہ حکومت اور ملک کو اسکی کڑی سزا ملے۔

کتنے تعجب کی بات ہے کہ اسلام کا دعویٰ کرنے والے خدا تعالیٰ کی شریعت کے نفاذ میں ٹال مٹول سے کام لے رہے ہیں۔

اپیل کنندگان: مفتی اعظم پاکستان حضرۃ مفتی ولی حسن صاحب
جامعۃ العلوم الاسلامیہ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

حضرۃ مولانا مفتی احمد الرحمن
صاحب مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

حضرۃ مولانا محمد یوسف
صاحب لدھیانوی
جامعۃ العلوم الاسلامیہ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

بیادیہ مجلس شیخ الحدیث

افادات شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

ضبط وترتیب : مولانا عبدالقیوم حقانی

صحبتے با اہل حق

اللہ کا ذکر روح کائنات ہے

یکم جمادی الاول ۱۴۰۶ھ ۔حسب معمول حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے عصر کے بعد کی مجلس میں حاضر ہوا۔ ذکر کی فضیلت کا بیان جاری تھا۔ ارشاد فرمایا۔ ذکر اللہ، روح کائنات ہے، لفظ اللہ تمام صفات وکمالات کا جامع ہے جب تک اللہ کا نام لیا جاتا رہے گا کائنات قائم رہے گی اور قیامت نہیں آئے گی۔ مگر ایک وقت آئے گا جب الحاد اور دہریت کا غلبہ ہو جائے گا۔ اللہ کا ذکر، اللہ کی یاد دلوں سے اٹھ جائے گی۔ بھولے سے بھی کوئی اللہ کا نام نہیں لے گا۔ تب اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم ہوگا۔ اور قیامت قائم ہو جائے گی۔ گویا عالم کی بقا اور کائنات کے وجود کا دارو مدار ذکر الٰہی پر ہے۔

رشتۂ نکاح میں دینداری کو ملحوظ رکھنا چاہیئے

دارالعلوم کے ایک قدیم فاضل نے عرض کیا۔

حضرت! میری بیٹی سن بلوغ کو پہنچ چکی ہے۔ میں نے بچپن سے بحمداللہ اس کی تعلیم وتربیت کی خصوصی نگرانی کی ہے۔ عربی میں، فارسی میں اس کا مطالعہ بھی خوب ہے۔ عربی تحریر بھی اچھی ہے۔ قرآن حکیم کا ترجمہ وغیرہ بھی جانتی ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اس کا نکاح بھی ایسی جگہ ہو جائے جہاں اس کی تعلیم اور اسلامی ذہن محفوظ رہے۔

حضرت شیخ مدظلہ نے فرمایا، جی ہاں! قحط الرجال ہے۔ ایسا زمانہ آگیا ہے کہ صالحین اور علمی ودینی گھرانے اپنی بیٹیوں کے لئے علمی ودینی رشتہ کے سلسلے میں تقریباً ۹۰ فیصد خاندان پریشان ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

فاظفر بذات الدین تربت یداک، شادیاں کی جاتی ہیں نکاح کئے جاتے ہیں لیکن اغراض مختلف ہوتی ہیں۔ بعض حسن وجمال کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ بعض دولت اور جہیز کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ بعض دیگر کمالات، ملازمت وغیرہ کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ مگر اللہ والے، دین کو، صالحیت کو، اور نیکی کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ یہی لوگ کامیاب اور بامراد ہیں۔ کہ انہوں نے نکاح اور شادی بیاہ کی روح کو ملحوظ رکھا ہے۔ آپ بھی مبارک ہیں کہ آپ کے خیالات احساسات اور جذبات، دین کی بالادستی کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی یاوری اور مدد فرمائے۔

فرض نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر دنتر پڑھنے سے قبل ۴۵۰ مرتبہ حسبنا اللہ نعم الوکیل پڑھ لیا کریں ۔ اللہ پاک کارسازی فرمادیں گے علاوہ ازیں " ربِّ اِنّی لِمَا اَنزلتَ اِلیَّ مِن خیرٍ فقیر ۔ کثرت سے اپنے ورد میں رکھیں ہر نماز کے بعد ، جب بھی موقعہ ملے ، مفہوم کو ملحوظ رکھ کر ورد جاری رکھیں ۔

پھر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے فاضل کی درخواست پر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور دیر تک الحاح و عجز کے ساتھ دعا مانگتے رہے ۔

فکر امت میں حضور اقدس ؐ کا رونا

پشاور کے ایک مہمان جس کا تبلیغی جماعت سے تعلق تھا نے عرض کیا ۔ حضرت میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی ۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے گلے لگایا اور آپ ؐ پر گریہ کی کیفیت طاری ہو گئی ۔ مجھے بھی رونا آیا ۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے کہ نیند اکھڑ گئی ۔

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم جوں جوں خواب کا بیان سنتے جاتے تھے چہرۂ اقدس پر اس کے اثرات ہویدا ہو رہے تھے ۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے کا سنا تو لرز اٹھے اور ارشاد فرمایا ۔ مجھے تعبیر خواب سے کوئی نسبت نہیں ہے ۔ تاہم آپ سعادت مند ہیں کہ باری تعالیٰ نے آپ کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف بخشا ہے ۔ حدیث میں ہے ۔

من رانی فی المنام فقد رآنی فان الشیطان لا یتمثل بی جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے گویا فی الحقیقت دیکھا کہ شیطان کو میری صورت بنانے کی طاقت نہیں ۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم امام الانبیاء اور خاتم النبیین ہیں آپ کی عصمت اور شان ختم نبوت کے تحفظ کے لئے شیطان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت بنانے کی طاقت نہیں دی گئی ۔ نہ خواب کی حالت میں اور نہ بیداری کی حالت میں ، حدیث میں ارشاد ہے ۔ من رانی فقد رأی الحق ، جس نے مجھے دیکھا اس نے فی الواقعہ مجھے ہی دیکھا ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ بیداری میں بھی مجھے دیکھے گا ۔ محدثین نے اس کے دو مطلب لکھے ہیں ۔

۱ ۔ جس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خواب میں حضورؐ کی زیارت کی وہ حضورؐ ہی کے زمانہ میں بیداری میں بھی آپ کی زیارت کی سعادت حاصل کرے گا ۔

۲ ۔ جس نے آپ کو خواب میں دیکھا اسے آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات اور شفاعت کی سعادت حاصل ہو گی ۔ اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے سائے تلے جگہ پائے گا ۔ اور جس نے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خیریت سے دیکھا یہ اس بات کی بشارت ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو گا ۔

آپ نے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں روتے ہوئے دیکھا ہے۔ رونا کبھی خوشی سے آتا ہے اور اکثر غم واندوہ سے بھی۔ اگر پہلی صورت مراد لی جائے تو چونکہ آپ تبلیغ واشاعت دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم والا کام کر رہے ہیں اس لئے حضور ؐ نے آپ کو گلے لگایا اور جوش مسرت سے آنکھوں سے آنسو بھی آئے۔

دوسری صورت بھی زیادہ قرین قیاس ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم امت کے فکر و غم اور فکر نجات میں بعض اوقات ساری ساری رات روتے رہے۔ اور آج جب امت کے تغافل، انتشار، بے اعتنائی، الحاد، زندقہ اور بے دینی کی رپورٹ آپ ؐ کو پہنچتی ہو گی تو آپ پریشان ہو جاتے ہوں گے۔ امت میں تبلیغی جماعت کے حضرات چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم والا کام کر رہے ہیں اور آپ بھی ان ہی سے ہیں۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے ملے اور امت کے انتشار اور غفلت پر غم واندوہ کے آنسو بہائے۔ اور امت کے حال پر اپنے رنج و الم کا اظہار کیا۔

بار الٰہ۔ اپنے فضل سے اپنے کرم سے امت کی ستاری فرمائے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے تو اللہ غضب ناک ہو جائے گا۔ اور امت ہلاک ہو جائے گی۔

یہ فرما کر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور کافی دیر الحاح اور عجز وانکسار کے ساتھ امت کی فلاح و نجات کی دعا فرماتے رہے۔

خواب میں زیارت رسول ؐ کا وظیفہ خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت و ملاقات اور اس کی فضیلت و اہمیت پر گفتگو ہو رہی تھی۔ کہ ایک صاحب نے عرض کیا۔ حضرت! خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت و ملاقات کے لئے کوئی وظیفہ بھی مرحمت فرمایئے۔ تو ارشاد فرمایا۔

درود شریف وسیلۂ قرب ہے کثرت درود سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت اور طلب پیدا ہوتی ہے۔ جب سچی طلب کے ساتھ درود پڑھا جائے گا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی سعادت حاصل ہو گی۔ جمعرات کو اہتمام کے ساتھ غسل کر کے ایک ہزار مرتبہ درود پڑھا جائے۔ بزرگوں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات میں اس عمل کو مجرب بتایا ہے۔

علم کی طرح، ذکر اور سلسلۂ بیعت بھی متوارث ہے ایک حاضر مجلس نے دریافت کیا۔ حضرت! بعض لوگوں نے بیعت اور تصوف و سلوک کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ حالاں کہ وہ نہ تو کسی سے ماذون ہیں اور نہ کسی سے انہوں نے بیعت کی ہے۔

تو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ارشاد فرمایا:۔

علم کی طرح ذکر، طریق عبادت اور سلسلۂ بیعت بھی متوارث ہے ۔جس طرح علم بغیر استاد کے ناقص ہے اسی طرح ذکر و فکر، طریق عبادت اور سلسلۂ بیعت بھی بغیر استاد کے ناقص اور بعض حالات میں مضرت رساں ہے ۔ دینوی صنعتوں میں کمال تب حاصل ہوتا ہے جب تجربہ کار کاریگر سے سیکھی جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریقے اور سنتیں قائم فرمائی ہیں ۔ اس میں خیر و برکت ہے ۔ اگر بغیر استاد کے علم و عمل کی راہ آسان ہوتی تو قرآن کو جبرئیل کے ذریعہ ہرگز نہ اتارا جاتا ۔ منقش اور مکتوب قرآن نازل کیا جاتا ۔جس طرح قرآن کے نقش کا علم ضروری ہے ۔ اسی طرح اس کے الفاظ، تلفظ، طرز ادا، لغت اور تجوید و قرأت کا علم بھی ضروری ہے ۔جس کی تحصیل بغیر استاد کے مشکل ہے ۔

تو جن لوگوں نے تصوف و سلوک اور بیعت اور سمع و طاعت کے بڑے بڑے بورڈ آویزاں کر دئے ہیں ۔ اور خود کسی فاضل، مربّی اور لائق کامل استاد سے سبق نہیں پڑھا ان سے اجتناب کرنا چاہیئے ۔ کہ ایسوں کا انجام خطرناک ہوتا ہے ۔ والعیاذ باللہ ۔

شیعہ امام کے پیچھے نماز جنازہ کا حکم اسی مجلس میں ایک صاحب نے عرض کیا، حضرت شیعہ امام کے پیچھے نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے ۔ ارشاد فرمایا ۔

شیعہ کے عقائد ان کی کتب سے عیاں ہیں۔ تحریف کتاب، تبدیلی کلمہ، جواز متعہ، انکار خلافت، عقیدۂ امامت، سبِّ صحابہؓ، یہ سب کفریہ عقائد ہیں ۔ ایسے عقائد رکھنے والوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی ۔جب بھی ایسی صورت سے دوچار ہوں تو علیحدہ ہو جانا چاہئے ۔ تاکہ عام لوگ بھی اس سے عبرت اور نصیحت حاصل کریں ۔

جیل سے رہائی کا وظیفہ ۳ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ ۔ بعد العصر حسب معمول شیخ الحدیث مدظلہ کی خدمت میں حاضر تھا اور بعض مضامین سنا رہا تھا ۔ کہ بلوچستان سے چار اصحاب کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا ۔ ان میں سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ ہمارا بچہ سولہ سال کا جہاد افغانستان میں شریک ہوا ۔ اور اب معلوم ہوا ہے کہ وہ کابل کی جیل میں ہے ۔ ہم صرف اس کی رہائی کی دعا کرانے کی غرض سے حاضر خدمت ہوئے ہیں اور یہ بھی درخواست کرتے ہیں کہ تمام مجاہدین جو روسی کارمل حکومت کی جیلوں میں ہیں سب کی باعزت رہائی کی دعا فرما دیجئے ۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ جہاد افغانستان کا سنتے ہی ہمہ تن ادھر متوجہ ہوئے ۔ مجاہدین کے دشمن کی جیلوں میں قید ہونے کی خبر پر رنجیدہ ہوئے ۔ پھر حاضرین سے جن میں آج زیادہ تر علماء اور طلبہ تھے اور بعض مہمان بھی تشریف رکھتے تھے ۔

مجاہدین کی رہائی اور فتح و نصرت کی دعا کی درخواست فرمائی ۔ اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے اور دیر تک عجز و نیاز اور حد درجہ الحاح و تضرع کے ساتھ مجاہدین کی فتح اور قیدیوں کی رہائی کی دعائیں کرتے رہے ۔

باقی ص ۱۱ پر

ضبط وترتیب: مولانا سعید اللہ حقانی بہری چند
متعلم دارالعلوم حقانیہ

افادات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ

دو سال قبل دارالعلوم میں باقاعدہ طور جب تعطیلات میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ترجمہ قرآن مجید (بصورت دورۂ تفسیر) کے شعبہ کی منظوری دی اور جسے دارالعلوم کے دو اساتذہ مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب اور مولانا عبدالقیوم حقانی پڑھا رہے ہیں تو درس کے افتتاح کے موقعہ پر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے جو دعائیہ کلمات اور مختصر خطاب فرمایا وہی ٹیپ ریکارڈ سے منتقل کر کے نذرِ قارئین ہے (ادارہ)

اللہ تعالیٰ ترجمہ قرآن مجید کی اس مبارک افتتاح کو ہم سب کے لئے اجر و ثواب کا ذریعہ اور باعث خیر و برکت بنادے۔ حدیث مبارک میں آتا ہے خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ۔ تم میں سے بہترین انسان وہ ہے جو قرآن مجید خود سیکھتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔ قرآن مجید نسخہ ہے رحمت اور ہدایت کا۔ ہم جب نماز پڑھتے ہیں تو ہماری نماز کی ایک رکعت بھی سورۃ فاتحہ سے خالی نہیں ہوتی۔ اور نماز کی ہر رکعت میں ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ اھدنا الصراط المستقیم یعنی ہم صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت مانگتے ہیں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ آپ کو کوئی بھی حاجت درپیش ہو تو اللہ ہی سے مانگو۔

قرآن مجید میں اور خصوصاً نماز خواہ وہ فرض ہو یا واجب یا سنت یا نفل کی ہر رکعت میں یہ دعا پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے "اھدنا الصراط المستقیم" یہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہم کو بنگلے یا موٹریں یا زمین یا سلطنت یا وزارت عطا فرما، ایسی دعا کرنا کوئی ممنوع نہیں۔ بقدر ضرورت اور بطریق شریعت طلب دنیا بھی جائز ہے۔ حدیث مبارک میں آتا ہے کہ جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ سے

مانگو۔ اللہ تعالیٰ مانگنے والوں پر خوش ہوتے ہیں۔ اور نہ مانگنے پر ناراض ہوتے ہیں۔ کیونکہ نہ مانگنا تکبر کی نشانی ہے۔ ایک انسان جب دعا نہیں مانگتا تو گویا وہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ میں مستغنی ہوں۔ میں اپنے کام خود کر سکتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تکبر بہت زیادہ مذموم ہے۔

دیکھئے! شیطان نے بہت زیادہ عبادت کی تھی۔ فرشتوں کے زمرے میں تھا لیکن تکبر کیا۔ تکبر کے نتیجہ میں وہ ملعون اور مردود ہو گیا۔ جو انسان دعا نہیں کرتا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود کو مستغنی عن اللہ تصور کرتا ہے۔ کہ نعوذ باللہ مجھ کو خدا تعالیٰ کے فضل و اعانت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنا کام خود کر سکتا ہوں کپڑا طعام خود پیدا کر سکتا ہوں۔ اور دنیا کے کام اور ضروریات خود پوری کرتا ہوں۔ خدا سے مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔

سورہ فاتحہ میں اللہ نے سوال کا طریقہ سکھایا ہے۔ اور صراط مستقیم کی ہدایت طلب کرنے کو اہمیت دی ہے۔ صراط مستقیم کی ہدایت تمام ضروریات دینی دنیوی اور امور انسانی کو جامع ہے۔ یہ قرآن مجید ہی صراط مستقیم ہے۔ بڑی جامع اور مبارک کتاب ہے۔ جب ہمیں اللہ تعالیٰ صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرماویں تو یقیناً ہم کامیاب ہیں۔ یہ تو حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر چیز کے مقابلے میں ہر نعمت کے مقابلے میں قرآن کا علم پڑھنا اور پڑھانا بہت زیادہ افضل ہے۔ خیرکم من تعلم القرآن علمہ تو یہ نعمت اللہ آپ اور ہمارے نصیب کرے۔ یہ آپ کو معلوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب غار حرا میں تھے تو جبرائیلؑ حاضر خدمت ہوئے۔ اور عرض کیا۔

"اے اللہ کے رسولؐ "اقراء" پڑھئے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نہیں پڑھ سکتا۔

جبرائیل نے تین بار یہی عرض کیا۔ اور حضورؐ نے ہر بار یہی جواب دیا۔ کہ "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں" تب جبرائیل نے آپ کو سینہ سے ملایا اور یہ آیات سنائیں۔ اقرا باسم ربک الذی خلق۔ ترجمہ۔ اپنے رب کے نام سے پڑھئے۔ جو آپ کا تربیت کنندہ ہے اور آپ کو پالا ہے اور آپ کو اس مقام عظیم منصب تک پہنچایا کہ افضل المخلوقات۔ افضل البشر، افضل الانبیاء کا درجہ عطا کیا۔ یہ تربیت کس کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ تو آپ اللہ کا نام لیں اور اس کے نام پر بسم اللہ کہہ دیں۔ اور پڑھنا شروع کریں۔ اگرچہ آپ قاری نہیں ہیں۔ آپ نے سکول و کالج نہیں پڑھا۔ اور کتابیں بھی نہیں پڑھیں۔ اور نہ ہی کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نام مبارک "رب" اور شان ربوبیت کے تقاضے کے تحت آپ کی تربیت کرتا ہے۔ "خلق الانسان من علق" اللہ تعالیٰ انقلاب لانے والا ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے

الخلق

لیکن انسان منجمد خون سے پیدا ہوا ہے۔ منجمد خون نجس اور ناپاک ہے۔ خون اور پھر منجمد لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور

ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے انسان پیدا کیا۔ خلق الانسان من علق۔ اقرا، وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان

مالم یعلم۔ اور بنایا آدمی کو جمے ہوئے لہو سے۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم سے۔

دیکھو! تمام دنیا کو اللہ تعالیٰ نے علم کی دولت سے نوازا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط اور توسل

کے ذریعے سے دیئے ہیں۔ اور آپؐ ہی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے یہ علوم کی نعمت امت کو بخشی ہے۔

الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم۔ جس نے قلم سے علم سکھایا۔ کہ جس سے انسان بے خبر تھا۔ آج

ہمارا سارا سلسلہ تصنیف وتالیف کتابت پر ہے۔ اگر رجسٹر ہیں یا کتابیں ہیں یا مختلف علوم ہیں منطق

ہے یا فلسفہ ہے سب کتابت پر موقوف ہیں۔ "علم بالقلم" اگر قلم پر متقدمین نے لکھائی نہ کی ہوتی تو ہم اور

آپ کس طرح علم حاصل کر سکتے تو قلم جماد ہے اس میں حیات بھی نہیں ہے۔ اور جب اللہ نے چاہا تو ذریعہ

اشاعت علوم بن گئی۔ تو قلم کو کس نے واسطہ بنایا؟ اللہ تعالیٰ نے واسطہ بنایا۔ اور قلم جماد ہے مگر اللہ تعالیٰ

نے تمام عالم کی ہدایت کے لئے جماد سے کام لیا۔

تو اے محمدؐ آپ اشرف المخلوقات۔ افضل المخلوقات اور افضل الانبیاء ہیں۔ اگر آپ تمام جہان

کے لئے معلم بن گئے تو اس میں استبعاد کیا ہے؟ "اقرا" پڑھ۔ اللہ جب چاہتے ہیں تو جماد سے کام

لے لیتے ہیں۔ "جو کہ قلم ہے" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کام لیا۔ اور تمام دنیا کو علوم نبوت سے معمور

کر دیا۔ تو آپ بھی جب علوم قرآن پر توجہ دیں گے اور باقاعدگی سے یہاں پڑھیں گے۔ تو یقین جانیں اللہ پاک

بھی علوم نبوت کے نور سے مالا مال کر دے گا۔ جس جگہ میں قرآن مجید کی تلاوت ہوتی ہے تو اس جگہ پر شعاع شمسی

عرش سے نازل ہوتی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو علوم قرآنیہ کے سیکھنے اور عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین

اللہ تعالیٰ دار العلوم اور اس کے محافظین اور اس کے طلباء، اس کے علماء اور اس کے خدام کی اللہ

خود حفاظت فرمائے۔ اور بلند درجوں سے نوازے ÷

دعا سے فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا:-

قیدیوں کی رہائی کے لئے کثرت سے انا للہ وانا الیہ راجعون کا وظیفہ جاری رکھیں۔ اللہ پاک اس کی برکت

سے آسانیاں فرما دے گا۔ نیز ارشاد فرمایا۔

قیدیوں کی رہائی کی نیت سے ان کے ورثا، اور متعلقین اور عام مسلمان ہر نماز کے بعد ۴۰ مرتبہ یا مُعیدُ

کا ورد جاری رکھیں۔ اوراد اور وظائف کی تلقین کے بعد پھر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے دعا کے لئے

ہاتھ اٹھائے۔ اور دیر تک مجاہدین کی فتح اور قیدیوں کی رہائی کی دعا کرتے رہے ÷

اسلامی شریعت کا نفاذ
اور
تجدید واجتہاد کے معنی

از
ڈاکٹر صلاح الدین ندوی، الازہر یونیورسٹی مصر

وقت حاضر میں اسلامی شریعت کی تنفیذ کی ضرورت اور اس کی اہمیت پر نظر ڈالتے ہوئے ہم یہ عرض کریں گے کہ بیشک اسلامی شریعت کا نفاذ عصر حاضر کے فرزندان ملت کی ایک امید اور امت توحید کا ایک خواب ہے، مگر اسلامک کانفرنس آرگنائزیشن سے متعلق چند اسلامی ممالک ایسے ہیں جہاں کے تجدد پسندوں کا یہ دعویٰ ہے کہ "اسلامی شریعت کا نفاذ ہر زمان ومکان کے لیے غیر نافع اور ناممکن ہے[1]" ان کا یہ مطالبہ ہے کہ اسلامی قوانین اور شرعی احکام کو عصر حاضر کے وضعی قوانین کے دوش بدوش چلنا چاہیے، اسلامی شریعت میں اصلاح کرنی چاہیے، اور عصر حاضر کی تہذیب وتمدن سے استفادہ کرنا چاہیے، کیونکہ امت اسلامیہ تہذیب نو کا ساتھ نہ دینے کی وجہ سے پسماندہ رہ گئی ہے، اور تہذیب وتمدن کا زمانہ اسے پس انداز کرکے بہت آگے نکل گیا۔

یہ درست ہے کہ اصلاح وتجدید کی ضرورت اسی وقت سامنے آتی ہے جب دینی اور عقلی مسائل باہمدگر نبرد آزما ہوں، یا دین اور انسانی تہذیب وتمدن میں باہم تضاد وتعارض ہو یا دین ضروریات زندگی کی تکمیل سے قاصر ہو، مگر افسوس کہ تجدد کے علمبرداروں کو قطعاً اس کا علم نہیں کہ آج کی تہذیب نو کی بنیاد جس سائنسی فضا[1]

---

[1] اسی بات پر ابھی حال ہی میں سوڈان میں تجدد پسندوں کے ایک ملحد رہنما کو سزائے موت دی گئی ہے۔

سائنٹفک نظام ہے، وہ دراصل اسلامی نصاب ہے، اور یورپی تہذیب و تمدن کی نشوونما سے بہت پہلے مسلمان اس نصاب پر گامزن اور کاربند رہے ہیں۔

مورخین لکھتے ہیں کہ اسلام کی ابتدائی چھ صدیاں علوم و فنون اور تہذیب و تمدن میں تاریخ انسانی کے روشن ابواب ہیں، لیکن وہی زمانہ فرنگ میں مغربی تہذیب و تمدن کے جمود و زوال کا دور ہے، اور اس دور کو خود اہل فرنگ "ازمنہ مظلمہ" یعنی تاریکی کا دور کہتے ہیں، عیسائیت کے غلبہ کے بعد یونانی اور رومی تہذیب و تمدن کی شان و شوکت نحوست و ادبار میں بدل گئی، کلیسا کے استبداد نے تحقیق اور آزادئ فکر کا دروازہ بند کر دیا، پھر علوم و فنون کے خاتمے کے بعد یورپ کے تمام ملوک اپنی باقی ماندہ قوت کو جمع کر کے فلسطین میں ایک مسلمان مجاہد سلطان کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے، مغربی فرنگ میں اندلس پر مسلمان قابض ہو گئے، جہاں انھوں نے ایک عظیم الشان تہذیب و تمدن کو جنم دیا جو تمام فرنگ کیلیے قابل رشک تھا، اور علوم و فنون کے فرنگی شائقین یہیں سے کسب فیض کرتے تھے، اور سترہویں صدی تک یورپ مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو بے بس پاتا تھا، پھر ترکوں کی فوجی طاقت ابھی زوال پذیر نہیں ہوئی تھی کہ مغرب میں بیداری شروع ہوئی، مغرب کی اسی بیداری کو نشأۃ ثانیہ کہتے ہیں، عصر حاضر میں مغرب کے بعض مورخین نے فراخدلی اور آزادانہ تحقیق سے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ فرنگ کی نشأۃ ثانیہ میں اسلامی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کا ایک موثر حصہ ہے، سارٹون نے جو سائنس کی مبسوط تاریخ لکھی ہے اس میں ریاضیات اور تجربی سائنس میں مسلمانوں کے کارناموں کی اچھی طرح داد دی ہے۔[1]

اور یہی نہیں بلکہ اہل مغرب نے بذات خود اس بات کو بھی تسلیم کیا ہے کہ اسلام نے ہی عمل اور تجربہ کا نصاب وضع کیا ہے، انھوں نے یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ یورپ کے نصاب عمل و تجربہ کے بانی اول روجر بیکن[2] نے زیادہ نصاب عربوں سے اخذ کیا ہے، یورپ کے ایک مشہور سائنسدان (بریفولٹ) نے اپنی کتاب

[1] مزید تفصیل کیلیے ملاحظہ ہو "فکر اقبال" از خلیفہ ڈاکٹر عبدالحکیم ص ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸ [2] روجر باکن (۱۲۱۴-۱۲۹۲)
(بقیہ ص ۳۴ پر)

"انسانیت کی بنیاد" میں یہ تحریر کیا ہے کہ روجر بیکن اور اس کے بعد آنے والے سائنسدان (فرانسیس بیکن[1]) نے
اس علمی میدان میں جو کچھ کیا ہے وہ نامور عرب شخصیتوں کے علمی کارناموں اور ان کے علمی نتائج کے فیضان سے
کیا ہے، اس لیے وہ دونوں اس بات کے مستحق نہیں کہ نصاب عمل و تجربہ کا سہرا ان کے سر پہ باندھا جائے
اسی طرح یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ سائنس ہی کی بدولت یورپ کی نشأۃ ثانیہ ہوئی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ
اسلامی تہذیب و تمدن کے روشن نقوش و اثرات سے بلاد یورپ میں زندگی کی لہریں دوڑ گئیں۔

یورپی تہذیب و تمدن ہی جن کا موضوع سخن رہا ہے ان میں بیشتر مورخین کا یہی خیال ہے
روجر بیکن کی کتاب "حرارت اور روشنی" بعینہ الحسن بن[2] الہیثم کی اس کتاب کا ہی ایک نسخہ یا کاپی
جو "بصریات" کے عنوان پر مشتمل ہے، اور سبھی اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ جس طرح طبی علوم میں را[زی]

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) ... قرونِ وسطیٰ کا مشہور سائنسدان سمجھا جاتا ہے۔ اس نے پیرس اور آکسفورڈ میں فل[سفہ]
کی تعلیم حاصل کی تھی اور علوم و فلسفہ کے کچھ اصول وضع کیے تھے۔ [1] فرانسیس بیکن (۱۵۶۱-۱۶۲۶) انگریز فل[سفی]
تھا جو لندن میں پیدا ہوا تھا، اور عملی طور پر فلسفہ اور سائنس کو از سر نو زندہ کرنے کے لیے کوشاں رہا تھا [2] ابو [علی]
الحسن بن ہانی بن الہیثم (تقریباً ۹۶۵- ۱۰۳۹) فلکیات و ریاضیات و طبعیات کے ایک مشہور عرب عا[لم]
تھے، بصرہ میں پیدا ہوئے تھے۔ فاطمی خلیفہ الحاکم بامر اللہ (منصور بن العزیز) کے زمانہ میں قاہرہ آئے۔
انھوں نے اپنی کتاب "علم المناظر" کا ترجمہ "بصریات" کے عنوان سے لاطینی زبان میں کیا تھا، وہ کتاب ۱۳[...]
تک یورپ کے علمی حلقوں میں بیحد مقبولیت اور اہمیت رکھتی تھی، [3] ابو بکر محمد بن زکریا الرازی (۸۶۴/۱
۹۳۲) ایک مشہور عرب طبیب تھے۔ رَیّ میں پیدا ہوئے تھے، حکیم جالینوس کے لقب سے یاد کیے جا[تے]
تھے، انھوں نے رَیّ اور بغداد میں "بیمارستان" کے نام سے شفاخانہ قائم کیا تھا، ان کی بہت [سی]
کتابیں ہیں جن میں برء الساعۃ، الحاوی، الجدری والحصبۃ قابل ذکر ہیں، اور خاص طور سے آخر الذ[کر]
طب کی قدیم کتابوں میں سب سے عمدہ کتاب سمجھی جاتی ہے۔

ر ابن سینا کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح کیمیا سے متعلقہ علوم میں جابر بن حیان اور ریاضیات کے یدان میں ابو یعقوب کندی کے علمی کارناموں کو ہرگز فراموش نہیں کیا جا سکتا، اہل یورپ صراحت کے ساتھ تراف کرتے ہیں کہ بلاد یورپ پر ان نامور عرب شخصیات کا احسان عظیم ہے جن سے اہل یورپ اب تک علمی ور عملی تجربات کے میدان میں فائدہ اٹھا رہے ہیں ۔

مگر اس کے باوجود احساس کمتری میں مبتلا مغربی تہذیب تمدن کے متوالے اپنی ہستی و وجود کی حقیقتوں سے ناآشنا ہو کر اسلامی شریعت کی تجدید اور مغربی تہذیب و تمدن سے استفادہ کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں، ور اس طرح کی آواز اٹھا رہے ہیں کہ اسلامی شریعت کے احکام افیون اور نشہ آور دواؤں سے کم نہیں، انھوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ علمائے دین کو بھی برا بھلا کہا اور ان کی توہین و مذمت میں کچھ اس طرح کے الفاظ استعمال کیے کہ یہ علمائے دین ایسے حکما و اطبا ہیں جو قوم کو نشہ، بیہوشی اور خواب آور دوائیں دیتے ہیں جبکہ حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے، اس طرح کی آواز اٹھانے والے بذات خود تہذیب نو کی مسکن دواؤں سے متاثر ہو کر بے خبری اور خود فراموشی کا شکار ہو گئے ہیں، بھلا وہ قوم کو اپنی اس طرح کی آواز سے کب بیدار کر سکتے ہیں ع

خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

جو لوگ بھی اس طرح کی آواز اٹھا رہے ہیں، وہ بالقصد اسلامی اصول و مبادی پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کر رہے ہیں، وہ شرعی احکام و فقہ اسلامی کے موضوعات کو خلط مبحث کر کے پیش کر رہے ہیں، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تجدد کے پس پردہ وہ اپنی خواہشات کے اشاروں پر اسلامی قوانین کی پیروی سے رستگاری حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس اندیشہ کا اظہار علامہ اقبال نے بھی اپنے کلام میں ایک مقام پر کیا ہے،

ملاحظہ ہو : ؎

اس قوم کو تجدید کا پیغام مبارک — ہے جس کے تصور میں فقط بزم شبانہ
لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید — مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ[1]

---

[1] ضرب کلیم ص ۱۶۷، کلیات اقبال ص ۴۰، مکتبۂ حمیدیہ حویلی اعظم خاں، چتلی قبر، دہلی، طبع ۱۹۸۱ء۔

جو لوگ تجدید و اجتہاد کا نعرہ لگا رہے ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ تجدید و اجتہاد کے نام پر ہی مغربی تہذیب و تمدن سے متعلقہ وضعی قوانین و افکار (جنھیں وہ لوگ ترقی یافتہ یا ترقی کے لیے مفید سمجھتے ہیں) شرعی احکام میں داخل کرکے تحریف و تبدیلی کی جاسکتی ہے، ان کا خیال ہے کہ عصر حاضر میں قوموں کی گوناگوں ضروریات کی تکمیل کے لیے انسانی عقل و دماغ نے جو افکار و نظریات وضع کیے ہیں، انھیں شرعی احکام میں داخل کرکے اسلامی اصول و مبادی کو ترقی پذیر بنایا جاسکتا ہے، انھیں اب صرف مغربی افکار و نظریات پر ہی انسانی زندگی اور اس کی ضروریات کی تکمیل کا انحصار نظر آتا ہے جو قطعاً درست نہیں۔

بیشک قرآن کریم کا نزول عقل انسانی کی ہدایت کے لیے ہوا ہے خصوصاً ان امور میں جن میں عقل کو اگر مطلق العنان چھوڑ دیا جائے تو بلاشبہ گمراہ ہوجائے گی، ان ہی امور میں عقیدہ، اخلاقی اصول و مبادی، شرعی احکام اور اجتماعی نظام سے متعلقہ موضوعات بھی شامل ہیں، دین نے مادی امور میں عقل کو آزادی دی ہے بشرطیکہ غور و فکر کا مقصد انسانی فلاح و بہبودی ہو، اور اسی وجہ سے اسلاف نے یہ سبق دیا ہے کہ اللہ جل شانہ کی قدرت و جبروت اور کائنات کے ذرے ذرے میں اس کے جلال و جمال اور دیگر اوصاف کمالیہ اور اس کی عظمت و شان کے مظاہر کا انکشاف کرنے کا ہی نام مادی علوم ہے، اس طرح مادی علوم کے ذریعہ کائنات میں غور و فکر کرنا بھی ایک عبادت ہے، جو لوگ قرآنی نصوص و آیات اور عقل میں بظاہر تضاد محسوس کرتے ہیں انھیں چاہیے کہ وہ اپنی عقل کو خواہشات سے دور رکھ کر غور و فکر کریں تاکہ انھیں یہ معلوم ہوجائے کہ صرف عقل ہی کو دینی امور میں حکم نہیں بنایا جاسکتا بلکہ دینی امور کے سہارے ہی انسانی عقل و دماغ کو راہ راست پر لایا جاسکتا ہے، اور عقل انسانی کو دین اسلامی سے جو ہدایت نصیب ہورہی ہے یہ بشریت کو ہمیشہ ہر زمانے میں اور ہر جگہ میسر رہے گی، بشرطیکہ نسل انسانی دینی امور کو طاق پر رکھ کر اپنی عقل کو خواہشات نفسانی کی تکمیل اور ذاتی اغراض و مقاصد کی دستیابی کے لیے استعمال نہ کرے۔

اپنی عقل پر نازاں و از خود فریفتہ حضرات نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ انھوں نے سلف صالحینؒ

بھی زبان درازی کی، اور انھیں برا بھلا کہا، جنھوں نے ایمانداری اور دیانت داری کے ساتھ جو کچھ سنا یا پڑھا، اور اپنی کاوشوں سے جو کچھ استنباط کیا اسے دوسروں تک پہونچا دیا، اس طرح اسلاف نے اسلامی شریعت کی بنیادوں کی حفاظت کی اور انھیں مستحکم و مضبوط بنا کر تحریف و آمیزش سے محفوظ رکھا شریعت کی بنیاد قرآن مجید ہے جو جذبۂ ایمانی سے معمور قلوب میں صدیوں سے محفوظ ہے، شریعت کی بنیاد احادیث نبویہ ہیں، جو انتہائی محتاط کاوشوں سے صحیح اسناد پر اعتماد کرکے کتابوں کی شکل میں محفوظ کر لی گئی ہیں، جو صرف امت محمدیہ کی خصوصیت ہیں، ہاں اگر ان اسناد کا وجود نہ ہوتا تو پھر منکرین حدیث یا دہریت پسند کچھ کہہ سکتے تھے، اسلامی شریعت اپنی انھی بنیادوں پر ایک کامل اور مکمل نظام حیات ہے، جو ہر فرد بشر، ہر جماعت اور ہر ملک کے لیے مفید ہے، اور ہر زمانے میں انسانیت کے لیے سودمند رہیگا۔

کتنی عجیب بات ہے کہ تجدد کے علمبردار حضرات اپنے اجتہاد کے ذریعہ اسلامی شریعت میں ترمیم و تبدیلی کرنا چاہتے ہیں، ان کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن کریم ہم سب کی کتاب ہے، قرآنی آیات کو سمجھنے میں ہم بھی اپنی عقل کو استعمال کر سکتے ہیں، ہماری عقل بھی قرآنی آیات کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتی ہے، فہم و ادراک کی استطاعت کے مطابق ہم بھی احکام کا استنباط یا استخراج کر سکتے ہیں، اسلاف ہمارے لیے حجت اور دلیل نہیں، ہم اسلاف کے دائرۂ معلومات سے مقید و مربوط نہیں رہ سکتے، ہم سے پہلے بھی بہت سے لوگوں نے اصلاح و تجدید کی آواز اٹھائی تھی، مصر میں شیخ محمد عبدہ، افغانستان میں شیخ جمال الدین افغانی اور ہندوستان میں علامہ اقبال وغیرہ نے بھی مختلف مقالات اور اداروں میں اصلاح و تجدید کی دعوت دی تھی۔

اس میں دو رائے نہیں کہ عصر حاضر کی مادی تہذیب و تمدن کی بنیاد جن افکار و نظریات یا آئیڈیالوجی پر ہے ان میں جدید ترین، ترقی پذیر سائنسی ایجادات کے زیر اثر تغیرات رونما ہو سکتے ہیں، اور انھی تغیرات کی روشنی میں انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں جب صنعتی ترقی اور انقلاب کا دور دورہ ہوا تو اسلامی مصلحین و مفکرین بھی الجھن میں پڑ گئے، کیونکہ یورپی مفکرین نے جو

ہرے باغ[1] دکھائے تھے، مسلم نوجوانوں کا طبقہ بھی تیزی کے ساتھ ان کی طرف بھاگنے لگا تھا، اور یورپ
یونیورسٹیوں میں وہ گرٹ، ڈیس، والٹیر، روسو، ہیوم اور کانٹ کی تعلیمات سے متاثر ہو کر کفر و الحاد کا سبق سیکھنے
لگا تھا، بہرحال اسلامی مصلحین و مفکرین نے اپنی میراث سمجھ کر دینی اصول و عقائد کی حفاظت کی، مگر چند مصلحین
و مفکرین ایسے بھی تھے جن کے ذہن میں یہ خلش باقی رہی کہ دینی عقائد اور زندگی کے جدید ترین ضرورتوں اور
نظریات میں کس طرح ہم آہنگی پیدا کی جائے، کچھ مفکرین نے یہ کہا کہ اس وقت دینی مسائل اور احکام کی از سر نو
تشکیل قرآن و حدیث کی روشنی میں ضروری ہے، تاکہ دینی اصول و عقائد کو فکر انسانی کی ترقی پذیر تحریکات
زمانے کی علمی اور نظری تیز رفتاری کے دوش بدوش اور رواں دواں رکھا جاسکے، چنانچہ دونوں کو ہم آہنگ
کرنے کے لیے مصلحین کی جو کوششیں سامنے آئیں ان کا مقصد یہی تھا کہ اسلامی شریعت کی حفاظت کے
دینی امور کی عقلی توجیہات کی جائیں اور بظاہر اسلام اور انسانی تہذیب و تمدن میں جو تعارض یا تضاد
نظر آتا ہے اس میں تطبیق کی صورتیں پیدا کی جائیں، تجدید کے علمبردار حضرات یہ بھول گئے ہیں کہ شیخ
جمال الدین افغانی اور علامہ اقبال جیسے دیگر مصلحین و مفکرین نے جو اصلاح و تجدید کی دعوت دی
اس کا اولین مقصد یہی تھا کہ اسلامی شریعت کی حفاظت کے لیے اسلامی معاشرہ میں عزم و ولولہ پیدا
کیا جائے تاکہ اسی طور طریقے پر شریعت کی بنیادوں کو قوی اور مستحکم کیا جاسکے جس پر اسلاف نے اس کو
قوی و مستحکم رکھا تھا۔

تجدید کے علمبرداروں کا یہ کہنا ہے کہ تجدید و اجتہاد کا دروازہ ابھی بند نہیں ہوا ہے، اگر

---

[1] "ہرے باغ" کا اشارہ اس طرف ہے کہ یورپی مفکرین نے اٹھارہویں صدی میں جسے انلائٹنمنٹ یا دور تنویر کہا
مذہب، فلسفہ، سیاست اور معیشت کے اہم مسائل آزادانہ طور پر حل کرنے کی کوششیں کی تھیں،
ان کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسان کے بنیادی حقوق کسی قدر وضاحت سے متعین ہوگئے، (مزید تفصیل کے لیے
ملاحظہ ہو "فکر اقبال" از ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

ذریعہ شرعی احکام میں تجدید و ترمیم کی جاسکتی ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہوگیا ہے، یا اب کوئی بھی دینی امور میں اجتہاد نہیں کرسکتا، بشرطیکہ وہ ان شرائط پر مکمل اترے، جن پر علمائے دین کا اتفاق ہے، مثال کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب یمن میں داعی اور قاضی بنا کر بھیجنے کیلئے منتخب کیا تھا تو آپ نے ان سے یہ دریافت کیا تھا کہ

كيف تقضي اذا عرض لك قضاء؟ فاجابه اقضي بكتاب الله، فسأله الرسول قائلا: فان لم تجد؟ قال فبسنة رسول الله، قال الرسول فان لم تجد؟ قال اجتهد برأيي ولا آلو، فضرب الرسول صلى الله عليه وسلم صدره وقال الحمد لله الذي وفق رسول رسول الله الى ما يرضى الله ورسوله.

اگر تمہارے سامنے کوئی مسئلہ رکھا جائے تو تم کیسے فیصلہ کروگے؟ انھوں نے عرض کیا کہ میں کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ اگر تم کو (اس میں حکم) نہ ملے؟ انھوں نے عرض کیا کہ پھر میں رسول اللہ کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم کو (اس میں بھی کوئی حکم) نہ ملے تو؟ انھوں نے عرض کیا کہ میں اجتہاد کرونگا اور (مسئلہ کو سمجھنے میں) کوتاہی نہیں کرونگا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر تھپکی دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے ایلچی کو خدا اور اس کے رسول کی خوشنودی حاصل کرنے کی توفیق دی۔

(رواہ ابو داؤد والترمذی)

اور مسلم سے روایت ہے کہ:

انه علیه الصلوٰۃ والسلام قال لعبد الله بن مسعود اقض بالکتاب والسنة اذا وجدت فیهما الحکم، فان لم تجد فیهما اجتهد رأیك.	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ ابن مسعودؓ سے فرمایا کہ اگر کتاب وسنت میں تمہیں حکم مل جائے تو ان دونوں کے ذریعہ ہی فیصلہ کرو، اور اگر ان دونوں میں کوئی حکم نہ ملے تو اجتہاد کے ذریعہ
(رواہ مسلم)	اپنی رائے قائم کرو۔

اجتہاد کا معنی ومفہوم | مذکورہ احادیث کی روشنی میں اجتہاد کا معنی ومفہوم یہ نکلتا ہے کہ ہر اس مسئلہ میں جس میں قرآن اور حدیث میں کوئی حکم یا اشارہ موجود نہ ہو تو مجتہد کو چاہیے کہ وہ کسی حتمی نتیجہ تک پہونچنے کے لیے حتی الامکان کوشش وکاوش کرے، اور کوئی بھی رائے قائم کرنے میں اس بات کو ہمیشہ ملحوظ رکھے کہ خدا اور اس کے رسولؐ کی منشا ومراد کیا ہے؟

صحیح اور غلط رائے کا اعتبار | اجتہاد کرنے میں مجتہد کی رائے درست بھی ہو سکتی ہے اور غلط بھی، جیسا کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ کل مجتهد مصیب والحق عند الله وحده، (ہر مجتہد (اپنی دانست میں) درست رائے قائم کرتا ہے، مگر حق بات کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہوتا ہے) یعنی مجتہد نادانستہ طور پر غلطی بھی ہو سکتی ہے، اس سلسلہ میں عبد اللہ بن عمرؓ سے بھی روایت ہے کہ:

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لعمرو بن العاص اقض بین هذین قال اقضی وانت	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن العاصؓ سے فرمایا کہ ان دونوں میں فیصلہ کرو، انھوں نے کہا کہ آپ کی موجودگی میں

حاضر ؟ قال نعم ! علی ماذا اقضی ؟ قال علی انك اذا اجتہدت فاصبت فلك عشر حسنات وان اخطأت فلك حسنة ۔

میں فیصلہ کروں ؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ ہاں ، کس بنیاد پر فیصلہ کروں ؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس بنیاد پر کہ اگر اجتہاد کرنے میں تم نے درست رائے قائم کی تو تمھیں دس نیکیاں ملیں گی اور اگر غلطی کی تو ایک نیکی ۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ مجتہد کسی مسئلہ میں درست بھی فیصلہ کر سکتا ہے ، اور کسی مسئلہ میں اس کی رائے غلط ہو سکتی ہے ، درست فیصلہ کرنے میں اسے دس نیکیاں ملیں گی اور غلطی کرنے میں صرف ایک ہی نیکی ملے گی ، بہر دو صورت صحیح فیصلہ کرنے کے لیے وہ جو کوشش کرے گا اور اس کے بعد جو بھی رائے قائم کرے گا ، کا اعتبار کیا جائے گا ، مگر اجتہاد کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ، بہت سے لوگ علمائے دین کی شکل و صورت کر لیتے ہیں ، انھی جیسا لباس پہنتے ہیں (جسے عام طور سے لوگ علمائے دین کا لباس سمجھتے ہیں) مگر ان کے نئی صلاحیت یا لیاقت نہیں ہوتی کہ وہ صحیح طریقہ سے قرآن و حدیث کے نصوص کو سمجھ سکیں ، پھر بھلا وہ لوگ سائل کو سمجھنے میں جن میں آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ خاموش ہیں کیسے خدا اور اس کے رسول کی خوشنودی سکتے ہیں ، یا مراد و منشا کی تہ تک پہونچ سکتے ہیں ، تاہم وہ لوگ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے ، اور جب متوجہ اور متنبہ کیا جاتا ہے تو زبان درازی کرتے ہیں ، اور کہتے ہیں کہ ہم اجتہاد کرتے ہیں ، ہمیں اللہ بدلہ گا ، ان ہی میں سے بہت سے لوگ اپنی نام نہاد مقبولیت سے ایسے مواقف پر اپنے مؤیدین کو دھوکا کر ناجائز فائدہ بھی اٹھاتے ہیں ، جب کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے بخوبی واقف ہے (واللہ من خلفھم محیط) لیے دینی مسائل میں ایسے لوگوں کی رائے اور انھیں حکم بنانے سے پرہیز کرنا چاہیے ، اور اس بات پر توجہ یا ہیے کہ جو لوگ تجدید و اجتہاد کا نعرہ لگا رہے ہیں کیا ان کے اندر اسلامی شریعت کے اسرار و رموز اور

جملہ اصول و قواعد کو سمجھنے نیز ہر مقام پر انھیں ملحوظ رکھنے کی صلاحیت ہے۔

مجتہد کی صلاحیت اور اس کے اوصاف

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں ائمہ حضرات بھی اجتہاد کرتے تھے، ان سے ہم یہ عرض کریں گے کہ بیشک ائمہ حضرات اجتہاد کرتے تھے مگر معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام کے آنے کے بعد ابتدائی صدیوں میں شرعی علوم کے درس و تدریس کا جو منہج یا نصاب تھا وہ اس شخص کے لیے اجتہاد کے درجہ پر تھا جس کے اندر اس نصاب کو سمجھنے کیلئے خاص قسم کی صلاحیت، لیاقت اور قدرت موجود تھی، بایں ہمہ جو لوگ اس نصاب تعلیم پر عمل پیرا ہوتے تھے ان کے اندر روحانیت اور پرہیز گاری بھی بدرجۂ اتم موجود تھی، مجتہد کے اندر ایسی صلاحیت ہونی چاہیے کہ وہ اس کے ذریعہ مجہول احکام کا استنباط کر سکے، وہ استنتاج کرنے میں ان وسائل کو قطعاً نظر انداز نہ کرے جن کے ذریعہ ان احکام کے معنیٰ و مفہوم تک اس کا پہونچنا ممکن ہے اسے ان احکام سے متعلقہ قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کا بخوبی مطالعہ کرنا ہوگا، انھیں سمجھنے اور ان سے استنباط کرنے کے جو طریقے ہیں ان کا مطالعہ کرنا ہوگا، اسے علم ہونا چاہیے کہ کس طرح مختلف قسم کی دلیلوں میں تطبیق دی جاتی ہے اور ترجیحی صورتوں پر نظر رکھی جاتی ہے؟ اسے خبر ہونی چاہیے کہ اسلاف نے اپنے اجتہاد اور استنباط میں کس قسم کا اسلوب اختیار کیا تھا؟ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اسلامی شریعت کے مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے مختلف قسم کے احکام میں ربط و تنسیق کے کیا طریقے ہیں، استقراء کسے کہتے ہیں،؟ کلیات و جزئیات کا معنیٰ و مفہوم کیا ہے؟ کیونکہ کلیات و جزئیات کے استیعاب پر ہی احکام کے استنباط کا دار و مدار ہوتا ہے، اسے جاننا چاہیے کہ لفظ کا استعمال لغوی اور شرعی اعتبار سے کیا ہے؟ احکام پر نصوص کی دلالت کا معنیٰ و مفہوم کیا ہے؟ آیات اور احادیث میں کب، کیسے اور کسے مخاطب بنایا گیا ہے، اور ان کا شان نزول کیا ہے؟ غرضکہ مجتہد کو حدیث اور اصول حدیث، فقہ اور اصول فقہ کے جملہ مذاہب سے باخبر ہونا چاہیے، نیز ان کے دلائل پر کلی طور پر نظر بھی ہونی چاہیے، جن پر ان مذاہب کے فقہاء، محدثین اور مجتہدین نے استنباط

نہیں جتنا لوگ تصور کرتے ہیں ۔ بہت سـ ل

کرنے میں اعتماد کیا ہے، وغیرہ، وغیرہ ..... یہ کام اتنا آسان

تجدید واجتہاد کا معاملہ دشکل کام جن کے بس سے باہر ہے انھیں خاموش رہنا چاہیے ۔

تجدید کے علمبرداروں کا یہ خیال ہے کہ ان کا دین سے مربوط رہنا ہی ان کی پس ماندگی اور تخلف کا

سبب ہے، اور اسی بنا پر انھوں نے اسلامی شریعت کو ترک کر کے عصر حاضر کے وضعی قوانین کو اپنا مذہب

بنالیا ہے ان میں کچھ لوگوں نے ترقی وآزادی کے نام پر دینی قید وبندسے فرار اختیار کر لی ہے ۔

اور حلال وحرام کے درمیان کوئی تمیز نہیں رکھ چھوڑی ہے، ان کو مخاطب بنا کر ہم یہ عرض کریں گے ۔

اسلامی عقیدہ میں ایسی کوئی بات نہیں جس کا عقل سے تعارض ہو بلکہ اس کے برعکس دیگر ادیان وعقائد میں

عقل کی نارسی شکل ہی سے نظر آتی ہے ، اسلام میں فکر ونظر کی جو دعوت دی گئی ہے وہ اس بات کی دلیل ہے

کہ اسلام میں عقل وعلم کی حیثیت واہمیت سے انکار نہیں ، اسلامی فقہ یا اسلامی شریعت اسلاف وفقہا

کے موجودہ مذاہب کا ہی نام نہیں بلکہ اسلام کے فقہی علوم کو ماضی میں جن بنیادوں پر ترقی حاصل تھی وہ آج

بھی انھی قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کی مضبوط بنیادوں پر قائم ہیں اور تاابد قائم رہیں گے ۔

جو لوگ جہالت کی بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی فقہ عصر ماضی میں امت اسلامیہ کے لیے مفید تھی

مگر اب وقت حاضر میں ناقص ونا تمام اور انسانی ضرورت کی تکمیل سے قاصر نظر آتی ہے ۔ اب امت اسلامیہ

کے لیے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کی مثال ان تاریخی امور کی مانند ہے جن کا ایک دور ہوتا ہے

جو گذر جاتا ہے ، اسی طرح اسلامی فقہ وشریعت کا بھی ایک دور تھا جب فقہا نے اس وقت کی ضروریات کو

مدنظر رکھتے ہوئے اسے وضع کیا تھا ، اب اس کی وہ وضع اور ساخت قدیم ہوگئی ہے ، صدیاں گذر چکی ہیں ،

مگر اسلامی فقہ اپنے اسی قدیم ہیکل وپیرہن میں نظر آتی ہے جبکہ زمانہ بدل گیا ہے ، اور لوگوں کی ضروریات میں

غیر معمولی تغیر آگیا ہے ، کیا یہ ممکن ہے کہ اس قدیم فقہی نصاب کو آج بھی اس دور میں نافذ کریں جس کی تنفیذ چودہ صدی

قبل کی گئی تھی ، جبکہ قانون کی شان تو ایسی ہونی چاہیے کہ اس میں زمانہ کے تغیرات اور انسانی ضروریات کو

پیش نظر رکھتے ہوئے ترمیمات اور تبدیلیاں کی جاسکیں، تاکہ اسے جامع اور ترقی یافتہ بنایا جاسکے۔

جن حضرات کا بھی یہ خیال ہے ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ فقہاء و مجتہدین نے اپنے مذاہب کی بنا جن احکام الٰہیہ یا احادیث نبویہ پر رکھی ہے، ان کا دائرہ محدود نہیں بلکہ وہ شرعی حدود وسیع و عریض ہیں، جو شخص بھی فقہ و اصول فقہ سے متعلقہ مؤلفات کا مطالعہ کرے گا، نیز جو بھی امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ، امام محمد بن حسن شیبانیؒ، امام ابویوسفؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی فقہی تصنیفات و تحقیقات کا ایک دوسرے سے موازنہ و مقابلہ کرے گا اس کی نظر سے ہرگز یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ علمائے اسلام اور ائمہ کرام نے فقہ و اصول فقہ کی تالیف اور مسائل کی تحقیق میں کتنی محنت اور کیسی کاوش کی ہے، اور کب اور کیسے فقہ اسلامی کی تکوین و تشکیل اور اس کی نشوونما ہوئی، نیز کیسے کیسے مختلف ادوار میں اس میں ترقی دیکھنے میں آئی، ہاں البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب سے اسلامی ممالک میں وضعی قوانین کی تنفیذ ہوئی ہے اس وقت سے اسلامی فقہ اور اسلامی شریعت کی تنفیذ حکومتی سطح پر معطل نظر آتی ہے، مگر یہ ہرگز نہیں سمجھنا چاہیے کہ اسلامی فقہ پر وضعی قوانین کی تنفیذ سے جمود چھا گیا، کیونکہ اسلامی فقہ اور شرعی احکام کی بنیاد قرآن اور سنت پر ہے جو تا ابد قائم و دائم رہیں گے اور ان پر کسی بھی دور میں جمود طاری نہیں ہوسکتا۔

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ہر مسئلہ میں احکام الٰہی کا پابند اور شرعی احکام پر کاربند رہے، فقہ اسلامی کے کچھ احکام ایسے ہیں جو ثابت اور دائم ہیں، ان میں کبھی بھی اور کسی دور میں بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی اور کچھ ایسے ہیں جو تغیر پذیر ہیں، جن میں ہر دور کی انسانی ضروریات کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے، اور ان کے دائرے کی توسیع و ترقی ممکن ہے، اسلامی شریعت قرآن و حدیث کے جن نصوص اور محکم کلیات پر مبنی ہے وہ کلیات ان تمام انسانی ضروریات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں جو کسی بھی جگہ اور کسی بھی دور میں بشریت کو پیش آسکتی ہیں، اس لیے یہ کہنا کہ اسلامی فقہ پر جمود طاری ہوگیا ہے، یہ دعویٰ درست نہیں، بلکہ باطل ہے۔

سلامی شریعت میں ہر دور میں رونما ہونے والی ضروریات کی رعایت پہلے سے ہی موجود ہے، جن کے
ل کے لیے فقہ اسلامی کو عصر حاضر کے قوانین وضعیہ پر کاربند قانون دان کی عقلی پیچیدگیوں اور حیلہ جوئیوں
اچنداں ضرورت نہیں، اسلامی شریعت کی بنیاد جن مستحکم کلیات پر ہے ان کا مقصد یہ ہے کہ کوئی اپنی خواہشات
سانی کی پیروی میں گمراہ نہ ہو جائے، کیونکہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ جنھوں نے بھی قرآن فہمی کے سلسلہ میں عقلی
ڈرے دوڑائے ہیں وہ صحیح راستہ سے بھٹک گئے ہیں۔

لمہ‌آیات کے
ی فوائد

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام میں جتنے بھی فرقے اور مذاہب خیال معرض وجود میں آئے ہیں ان سب کا منبع ومصدر قرآن وحدیث ہے، پھر بھی جو مختلف افکار ونظریات
لجھنے میں آتے ہیں ان کا سبب یہ ہے کہ قرآن مجید میں محکم اور متشابہ دو طرح کی آیات موجود ہیں، جو فتنہ پرور
اصر ہیں متشابہ آیات کا معنی ومفہوم اپنی خواہش کے مطابق ڈھال لیتے ہیں، خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ
مِنْهُ اٰيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ
الْكِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ
فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ
فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ
ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ
تَاْوِيْلِهٖ، وَمَا يَعْلَمُ
تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ۔

(آل عمران : ۷)

اس نے تم پر کتاب نازل کی جس کے ایک
حصہ (میں) وہ آیتیں ہیں جو اشتباہ مراد
سے محفوظ ہیں، وہی آیتیں اس کتاب کی
بنیاد ہیں، اور دوسرے حصہ میں وہ آیتیں
ہیں جو مشتبہ المراد ہیں، اس لیے جن لوگوں کے
دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ کی غرض سے اس کے
اسی حصہ کی پیروی کرتے ہیں جو مشتبہ المراد
آیتوں پر مشتمل ہے، اور ان کا غلط مفہوم
ڈھونڈتے ہیں، حالانکہ ان کا صحیح مطلب
اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

مثال کے طور پر نصاریٰ اسلام کے ابتدائی دور کے مسلمانوں کے ساتھ مسائل لاہوت اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی حقیقت و ماہیت سے متعلقہ موضوعات پر جدل و تکرار کیا کرتے تھے، اور حضرت مسیح علیہ السلام کی صفات کے بارے میں قرآن مجید میں جو آیت کریمہ موجود ہے اسے اپنی خواہش کے مطابق معنیٰ کا جامہ پہنانے کی کوشش کرتے تھے، جبکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ :

يَآ اَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِيْ
دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ
اِلَّا الْحَقَّ ، اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى
ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ
كَلِمَتُهٗ اَلْقَاهَآ اِلٰى
مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا
بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا
ثَلَاثَةٌ ـ (النساء : ۱۷۰)

اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں حد سے مت نکلو
اور اللہ تعالیٰ کی شان میں غلط بات مت کہو
مسیح عیسیٰ ابن مریم تو اور کچھ بھی نہیں، البتہ
اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ایک
کلمہ ہیں، جس کو اللہ تعالیٰ نے مریم تک پہونچا
تھا، اور اللہ کی طرف سے ایک جان ہیں
اس لیے اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان
لاؤ، اور یوں مت کہو کہ تین ہیں۔

غرض کہ اہل سنت والجماعۃ، معتزلہ، حشویہ اور دیگر متکلمین کے جتنے بھی مذاہب کلامیہ معرض وجود میں آئے، ان سب کا مصدر قرآنی آیات ہی ہیں، ان میں کا ہر فرقہ قرآنی آیات کو اپنے مذہبی عقائد کی روشنی میں سمجھنے اور انھیں دلائل کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کرتا تھا، اور آیات ہی کی تاویل میں مختلف مذاہب اور فرقوں کے مابین نظریاتی اختلافات رونما ہوئے جو آج بھی تفسیر کی کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

امام فخر الدین رازیؒ نے قدریہ، جبریہ اور مشبہ جیسے مختلف الخیال مذاہب کے اقوال و دلائل کو

---

۱ فخر الدین محمد بن عمر التیمی البکری (المتوفی سنہ ۶۰۶ھ / سنہ ۱۲۱۰ء) اپنے زمانہ کے مشہور امام اور مفسر قرآن تھے، ... میں پیدا ہوئے تھے، اور ہراۃ میں انتقال ہوا تھا، شیخ الاسلام کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے، انھیں معقولات

نقل کیا ہے جو قرآنی نصوص و آیات سے ماخوذ ہیں، انھوں نے ان فرقوں کے رد میں یہ لکھا ہے کہ قرآن کریم میں جو متشابہ آیات ہیں ان کے بھی بہت سے فوائد ہیں، انھوں نے اس سلسلہ میں یہ ذکر کیا ہے کہ اگر قرآن مجید کی سبھی آیات محکم کلیات کی شکل میں ہوتیں تو وہ صرف کسی ایک ہی فرقہ یا مذہب کے افکار و نظریات سے مطابقت رکھتیں، اور اس کے علاوہ سبھی فرقے اور مذاہب جو معرض وجود میں آئے ہیں باطل اور لغو قرار دے دیے جاتے جسے دیگر مذاہب یا فرقے کسی حال میں بھی تسلیم نہ کرتے، اس لیے محکم و متشابہ دونوں طرح کی آیات کا فائدہ یہ ہوا کہ جو فرقے اپنے مذاہب کو قرآنی آیات سے مستحکم اور مدلل بنانے کے خواہاں تھے، انھوں نے قرآنی نصوص و آیات میں غور و فکر کر کے اپنے مذہب کے مطابق آیات تلاش کر لیں[1]۔

اس سے قطع نظر ہر زبان کی وضع یا ساخت اور اس کی طبیعت محسوسات اور مادی اشیاء و واقعات کے مطابق ہوتی ہے، وہ باطنی اسرار و رموز کے حقایق کی ترجمانی سے قاصر رہتی ہے، باطنی اور روحانی حقائق کی تعبیر زبان اور اہل زبان کے لیے مجاز، استعارہ اور تخیل کے بغیر مشکل بلکہ ناممکن ہے، کیونکہ یہ انسانی جہان رنگ و بو محسوسات و مادیات پر مشتمل اور محدود ہے، اور اس عالم محدود کی زبان محدود ہے پھر اللہ تعالیٰ کے لامحدود و لامتناہی منشاء و مراد کی تعبیر بغیر مجاز، استعارہ اور تخیل کے کیسے ممکن ہے، انھی سب وجوہ کے بموجب قرآن فہمی کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو گیا، بلکہ ایک مستقل شعبۂ تفسیر بن گیا اور آج اس شعبہ میں مختلف مذاہب کی مختلف کتابیں دارسین اور متخصصین تفسیر کے سامنے ہیں۔

علت و معلول | جو لوگ اپنی عقل پر ناز کرتے ہیں انھیں فقہی اصول و قواعد میں علت و معلول کی حیثیت کا بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵۵) ۔۔۔ اور معقولات پر کافی دسترس تھی، عربی اور فارسی میں ان کی دسیوں کتابیں ہیں جنھیں فضائل الصحابہ، المحصول فی الفقہ، الاربعین فی اصول الدین، ابطال القیاس، الہندسہ، الملل والنحل، لب الاشارات، الطب الکبیر اور مفاتیح الغیب جو تفسیر الکبیر کے نام سے مشہور ہے قابل ذکر ہیں، انھوں نے عربی اور فارسی میں اشعار بھی لکھے ہیں۔ [1] التفسیر الکبیر ص ۲/۷ - ۱۸۴۔

علم ہونا چاہیے، اسلامی شریعت میں کسی پر آنکھ بند کرکے حد کی تنفیذ کا حکم صادر نہیں ہوتا، بلکہ ہر چیز کی کو
نہ کوئی علت ہوتی ہے، جب بھی کوئی حکم صادر ہوگا تو یہ دیکھا جائے گا کہ علت پائی جاتی ہے یا نہیں،
علت موجود ہے تو حکم کی تنفیذ ہوگی، اگر فی الواقع کوئی علت موجود نہیں تو صرف شکوک و شبہات
بنا پر حکم یا حد کی تنفیذ ہرگز نہیں ہوگی۔

جو لوگ بھی اسلامی شریعت سے برگشتہ ہیں انھیں یہ بخوبی جاننا چاہیے کہ اسلامی شریعت کی
کا مقصد کیا ہے، اسلامی شریعت کا عظیم مقصد یہ ہے کہ معاشرہ میں اصلاح کی جائے اور اسے شر و فسا
سے دور رکھا جائے، اور خدا تعالیٰ نے اسلامی شریعت کا جنھیں مکلف بنایا ہے انھیں اس بات پر عقیدہ
رکھنا چاہیے کہ شریعت الٰہی کی تنفیذ ہر مقام پر، ہر زمانے میں، ہر فرد بشر، ہر جماعت، ہر معاشرہ اور ہر ملک
کے لیے مفید ہے اور سود مند رہے گی،

اسلامی شریعت کی جو کلیات ہیں وہ زمانہ کے حوادث اور انسانی ضروریات کے دوش بدو
چل رہی ہیں، اور صرف یہی نہیں کہ ان کلیات سے امت اسلامیہ کی ضروریات کی تکمیل ہوتی ہے بلکہ
ان کلیات میں غیر مسلم قوموں کے حقوق و ضروریات کی مراعات اور ان کی دادرسی بھی ملحوظ رکھی گئی ہے، اسلام
کے دشمن عناصر کو اس بات سے بخوبی واقف ہونا چاہیے کہ اسلام ایک ہمہ گیر مذہب اور عالمگیر نظام حیات ہے
اور جن کو اسلامی شریعت کے متعینہ اصول و ضوابط کا مکلف اور مخاطب بنایا گیا ہے، ان میں کسی فرد یا جما
کی کوئی تخصیص نہیں، بلکہ تکلیف و تخاطب عام ہے، اور ہر فرد بشر اس کا مکلف و مخاطب ہے۔

جن حضرات کی عقل و نگاہ اہل مغرب کی موجودہ تہذیب و تمدن پر ہے اور جو تجدید و اجتہاد کا
نعرہ لگا رہے ہیں، ان سے ہم یہ کہیں گے کہ اجتہاد صرف تجدید و تطور اور ترمیم و تبدیلی ہی کا نام نہیں
بلکہ اجتہاد اس راہ حق تک پہونچنے کے لیے کی جانے والی کوشش و کاوش کا نام ہے جس پر رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم کاربند تھے، مجتہد کو ہر اس مسئلہ میں جس میں قرآن و حدیث خاموش ہیں، سب سے پہلے

یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان اس وقت تشریف فرما ہوتے تو اس مسئلہ میں کون سا موقف اختیار کرتے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم عصر حاضر کے تہذیب وتمدن سے پیچھے رہ گئے اور جدید ترین سائنس اور اس کی ترقی کے وسائل کو اختیار کرنے میں ہم نے غیر معمولی تاخیر کردی، ان لوگوں سے ہم یہ عرض کریں گے کہ اگر مسلمانوں نے علوم وفنون کے مختلف میدانوں میں آگے بڑھنے میں سستی اور تساہل برتا تو اس میں اسلام یا قرآن وحدیث کا کوئی قصور نہیں، بلکہ یہ مسلمانوں کی اپنی سستی وتساہل اور علمی وعملی زندگی سے پہلوتہی کا نتیجہ ہے، اسلام تو چاہتا ہے کہ مسلمان اس جہان میں سب سے طاقتور اور قوی ریاست کے اہل بن جائیں، اگر مسلمان خود ہی اپنی صلاحیتوں اور طاقتوں کو ضعیف بنا دیں گے تو اسلام کی نظر میں وہ قصوروار کہلائیں گے، کیونکہ مسلمان احکام الٰہی کا پابند اور ان کی تبلیغ کا مکلف ہے، اور دعوت وتبلیغ کا کام اسی وقت بخوبی انجام پذیر ہوسکتا ہے جب مسلمان اپنی توانائی اور اپنی علمی وعملی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔

جب آپ انفس وآفاق میں خدا تعالیٰ کی قدرت وعظمت کی نشانیوں کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ بھی اسلامی دعوت وتبلیغ سے متعلقہ موضوعات ہیں، خدا تعالیٰ کی نشانیوں اور تسخیر فطرت سے متعلقہ آیات کو بغیر فکر وعمل کے نہیں سمجھا جاسکتا، اس کے لیے فطرت اور نظام فطرت کو سمجھنا ہوگا، اور اس کا انکشاف کرنا ہوگا، کیونکہ فطری عناصر کی بحث وجستجو کائنات میں قدرت الٰہی کی بحث وجستجو کے مترادف ہے، اور نظام فطرت کو سمجھنے کا مطلب کائنات میں نظام الٰہی کا فہم وادراک کہلائے گا.....

اس طرح جب ہم مادی علوم وسائنس کے دوش بدوش چل کر اگر جدید ترین چیزوں کا انکشاف کریں گے، اور مسلمانوں کی نت نئی چیزوں کی اپنی ایجادات ہوں گی، تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہ ہوگا کہ ہم نے یورپی تہذیب وتمدن کا نقل یا تقلید کی ہے، یا یورپی تہذیب وتمدن اختیار کرلیا ہے، کیونکہ کیمیا رکا جہاں کہیں بھی وجود ہوگا وہاں پر وہ کیمیا ہی کہلائے گی، یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ یہ روسی کیمیا ہے اور وہ فرانسیسی کیمیا، ہاں البتہ

کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے اپنے اسلاف کی پیروی کی ہے، جنھوں نے غور و فکر اور کاوش کے ذریعہ تجربہ اور ایجاد کی ابتدا کی تھی، کیونکہ اہل مغرب خود اس کا اعتراف کرتے ہیں اور شہادت دیتے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنے زریں عہد میں اپنے علمی و عملی کارناموں اور ایجادات سے انسانیت کو بے حساب فائدہ پہونچایا ہے، اس لیے اگر اس دور میں مسلمان فطری اور مادی میدانوں میں انسانی ایجادات سے فائدہ اٹھاتے ہیں تو اس میں کوئی عیب کی بات نہیں، بلکہ یہ تو ان کا ذاتی حق ہے۔

مگر اخیر میں یہ بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ اسلام سائنس کی اہمیت کا اعتراف کرتا ہے تاہم اسے قوم کی ترقی و تقدم اور اس کی پسماندگی کا معیار و مقیاس قرار نہیں دیتا کیونکہ اسلام میں بلندی و پستی اور ترقی و پسماندگی کا معیار اخلاق اور تقویٰ ہے۔

نزلہ، کھانسی اور زکام
سردی کے موسم میں عام
مناسب احتیاط برتیے۔ بروقت سُعالین لیجیے
سردیوں میں اگر آپ کو نزلہ، زکام، کھانسی
یا گلے میں خراش کی شکایت ہو جائے
تو فوراً سُعالین کا باقاعدہ استعمال شروع
کر دیجیے اور اگر خدا نخواستہ تکلیف بڑھ
جائے تو ایک پیالی تیز گرم پانی میں سُعالین کی
چار ٹکیاں حل کر کے جوشاندے کے طور پر
صبح و شام پیجیے۔
سُعالین آپ کو ان بیماریوں سے محفوظ بھی
رکھتی ہے اور نجات بھی دلاتی ہے۔
SUALIN
سُعالین
شیشی میں بھی دستیاب ہے
اور نئے اسٹرپ پیکنگ میں بھی۔
نوزو
ناک کی سوجن، سوزش اور بندش کے لیے مفید۔
ایک پھوار ناک کھول دیتی ہے۔
ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں
آوازِ اخلاق
اخلاق عملاً مذہب ہے اور مذہب اصولاً اخلاق ہے۔
ADARTS-SUA-3

از مولانا نورالحسن صاحب کاندھلوی

حضرت تھانوی کے علوم وافاضات اور ملفوظات کے سب سے پہلے مرتب

مولانا ناظر حسن تھانوی ۱

مولانا ناظر حسن نے متعدد مواقع پر اس کی صراحت کی ہے۔ ایک موقع پر لکھتے ہیں:-

"قاضی قطب الدین ونجابت علی خان خاندان قاضیان قصبہ تھانہ بھون کے نواسے ہیں، اور ددھیال ان کی مقام کاندھلہ تھی۔ ان کے آباؤ اجداد غلام نبی۔ غلام رسول و محمد اعظم متوطنان کاندھلہ تھے۔ ان کی اولاد قطب الدین خان ونجابت علی خان کا ننہیال کی قضا پانے کو آنا۔ اور تھانہ بھون میں رہنا ہوا تھا۔ اسی واسطے ان کے باپ غلام نبی وغیرہ کا نام شیوخ تھانہ بھون کے شجرۃ الانساب میں کہیں بھی نہیں ملتا۔ اس حقیقت کو ہر کس و ناکس نہیں جانتا۔ لیکن اہل خبر اس سے واقف ہیں" [۱]

ایک اور جگہ تحریر ہے:-

"قاضی قطب الدین مرحوم یہ ساکن قصبہ کاندھلہ کے ہیں اور یہ شیخ غلام نبی کے خلف اکبر ہیں اور غلام نبی وغیرہ کا شیوخ قصبہ تھانہ بھون کے شجرۃ الانساب میں کہیں بھی پتہ نہیں ملتا" [۲]

یہی وجہ ہے کہ مولانا ناظر حسن نے شجرۃ الانساب میں قاضی قطب الدین اور ان کے اہل خاندان کا ایک علیحدہ سلسلہ میں ذکر کیا ہے۔ فاروقیان تھانہ بھون کے ساتھ شامل نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ قاضی نجابت علی ن صدیقیان کاندھلہ سے منسلک تھے۔ اس خاندان کے مفصل نسب نامہ میں قاضی نجابت علی اور ان کے

---

۱ الناظر الحسن صہ ۲۹۳ ۲ ایضاً۔ الناظر الحسن صہ ۳۳۹ تاریخ تھانہ بھون میں یہ تذکرہ بعض اور مقامات پر بھی ہے۔ مثلاً ۳۸۹۔ ۴۵۷۔ ۴۶۸ وغیرہ

آباؤ اجداد کا مفصل تذکرہ موجود ہے [1]

شجرۃ الانساب پر مولانا کی بہ ہمہ جہت تصانیف کا تعارف ختم ہوا۔ آیندہ سطور میں مولانا کی بعض اہم قلمی باقیات کا تذکرہ آ رہا ہے۔ جو مولانا کی تصانیف و تالیفات میں شامل نہیں۔ حضرت تھانوی کی بعض نایاب نادر نسخے ہیں اور تاریخ جلال آباد پر ایک کتاب ہے۔ حضرت کی تالیفات میں بھی دو کتابیں شائع ہیں۔ اور فہرست سے محتاج تعارف نہیں۔ لیکن یہاں ان کا تذکرہ اس لئے کیا جا رہا ہے کہ زیر تعارف نسخوں کے ذریعے ان کتابوں کے اولین نسخوں کی جانب رہنمائی ہوتی ہے۔

اولاً حضرت تھانوی کی تالیفات انوار الوجود، سبع طباق اور مکتوب بنام سرسید کا تعارف درج آخر میں واقعات جلال خانی کا تذکرہ ہوگا۔

۱۔ انوار الوجود۔ وحدت الوجود الٰہیات یا فلسفہ تصوف کا نہایت متنازعہ اور معرکہ آرا عنوان ہے چھٹی صدی ہجری سے آج تک اس پر بحث و کلام کا سلسلہ جاری ہے۔ خصوصاً حضرات مشائخ چشتیہ اس موضوع پر خاص توجہ اور اس کی نئی نئی تعبیرات و تشریحات فرمائی ہیں۔ یہ رسالہ بھی اسی سلسلہ کی ایک ہے۔ اور اس زمانہ کی یادگار ہے۔ جب حضرات اہل چشت کے رفیق طریق حضرت حاجی امداد اللہ کے فیض سے حضرت تھانوی بادۂ توحید میں غرق تھے۔ اور وحدۃ الوجود کا تصور کیفیت و حال بن کر دل و دماغ چھایا ہوا تھا۔ اور یہ حال ہو گیا تھا کہ :- ع

جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

انوار الوجود مکہ معظمہ میں تالیف ہوئی۔ مرتب اشرف السوانح کا قول ہے۔

" اسی زمانہ قیام مکہ معظمہ میں تنزلات ستہ [2] کے مسئلہ پر جس کا توحیدی وجود سے خاص تعلق تھا۔ ایک رسالہ بھی حضرت والا نے تحریر فرمایا تھا۔ جس کا نام انوار الوجود فی اطوار الشہود رکھا تھا " [3]

یہ رسالہ اسی وقت حضرت حاجی صاحب کی نظر سے گزرا۔ حاجی صاحب نے پسندیدگی سے نوازا

---

[1] اس شجرہ کی تفصیلات اور صدیقیان کاندھلہ کے متعلق بعض معلومات کے لئے رجوع فرمایئے۔ راقم کا مقالہ شیخ الحدیث کے اجداد صحیح نسب نامہ اور حالات۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نمبر ماہنامہ الفرقان لکھنؤ اپریل ۱۹۸۲ء

[2] تنزلات ستہ اہل تصوف کی ایک خاص اصطلاح ہے۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو۔ قرآن تصوف از جناب ڈاکٹر میر ولی الدین ص ۱۰۵ (حیدرآباد انڈیا ۱۳۶۴ھ)

جواز مسرت میں فرمایا:
"اس میں ترتم نے بالکل میرے سینے کی شرح کردی"[1]
مگر انوار الوجود کی کوئی نقل محفوظ نہیں رہی تھی۔ حضرت تھانوی نے اپنی ایسی تصنیفات کی فہرست
جو لکھنے کے بعد مسودہ کی حالت میں ضائع ہوگئیں" انوار الوجود اور دو کا بھی ذکر فرمایا ہے[2] مگر الحمدللہ
انوار الوجود ضائع نہیں ہوئی۔ اس کی ایک عمدہ نقل مولانا ناظر حسن کی تحریرات میں محفوظ ہے۔ ممکن ہے
اور نسخہ حضرت حاجی صاحب کے ذخیرۂ کتب (مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ) میں بھی موجود ہو کیونکہ مؤلف
اس کی ایک نقل حاجی صاحب کو بھیجی تھی۔ حضرت حاجی صاحب کے ایک خط میں انوار الوجود ملنے کی اطلاع
درج ہے[3] مولانا ناظر حسن کا لکھا ہوا نسخہ ۳۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور رمضان ۱۳۱۵ھ میں کتابت ہوا۔
مولانا ناظر حسن آخر میں تحریر فرماتے ہیں۔
"حررہ ناظر حسن تھانوی، وارد حال شہر الہ آباد۔ مدرسہ احیاء العلوم مورخہ ۱۸ رمضان
المبارک ۱۳۱۵ھ روز سہ شنبہ"
انوار الوجود کی کتابت کے ۵ روز بعد ۲۳ رمضان المبارک کو تتمہ انوار الوجود کی نقل مکمل ہوئی۔ دونوں یکجا
مجلد ہیں۔
انوار الوجود کے مفقود و معدوم ہو جانے کے باوجود حضرت تھانوی نے اس کے متعلق بعض ہدایات تنبیہات
وصیت میں درج فرمادی تھیں۔ انوار الوجود کی بازیافت کے موقع پر ان وصایا کی پاسداری نہایت ضروری ہے
اس طرح کی تمام تالیفات کی نسبت ایک اصولی ہدایت تو یہ ہے کہ:-
"میری تحریرات میں جو مضامین از قبیل علوم مکاشفہ ہیں جو کہ علم تصوف کی ایک قسم ہے
جس کو حقائق و معارف سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور حجج شرعیہ ان سے ساکت ہیں
ان کو حسب قاعدہ اصولیہ و کلامیہ امور ثابتہ بدلائل شرعیہ کے درجہ میں نہ سمجھنا چاہیے
بلکہ بالکل اعتقاد نہ رکھنا بھی جائز ہے۔ اور اگر اعتقاد رکھے تو محض احتمال کے درجہ
سے تجاوز نہ کرے"[4]
اور انوار الوجود کے متعلق کچھ اور تصریحات کا بعد میں اضافہ فرمایا ہے۔ تحریر ہوا کہ:-

---

[1] اشرف السوانح صہ ۱۸۵ جلد اول [2] مکتوبات امدادیہ معہ صد فوائد اشرفیہ، مرتبہ حضرت تھانوی مکتوب ۱۸ صہ ۲۵
تھانہ بھون ۱۳۹۱ھ [3] تنبیہات وصیت صہ ۱۵ [4] اشرف السوانح صہ ۱۸۵ ج ۱۔

"عام لوگوں کو انوارالوجود کے مطالعہ کی ممانعت ہے اور خواص کے لئے وصیت ہے کہ ان (واردات وانکشافات) کو ذوقیات سے آگے نہ بڑھائیں"[1]

مذکورہ ہدایات زیر تعارف اردو انوارالوجود کے متعلق ہیں۔ انوارالوجود کے نام سے حضرت کی عربی میں بھی ایک تالیف ہے جو حضرت کی حیات میں شائع ہوگئی تھی۔ اور التکشف میں شامل ہے۔ وہ ان ہدایات سے مستثنیٰ۔

۲۔ سبع طباق۔ یہ کتاب اردو میں فن تجوید کا ایک پاکیزہ وخوش قلم نسخہ ہے۔ اس کے سرورق پر یہ الفاظ تحریر ہیں:۔

"سبع طباق من تصنیفات حضرت مولانا صاحب"

اس کے علاوہ پوری کتاب میں کوئی ایسی عبارت حاشیہ ضمیمہ حوالہ یا مہر درج نہیں جس سے کتاب امؤلف کاتب یا سن کتابت وتحریر کا علم ہو سکے۔ مگر اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ یہ مخطوطہ حضرت تھانوی کی مشہور کتاب "تنشیط الطبع فی الاجراء السبع" ہے۔ معلوم نہیں اس پر سبع طباق کیوں لکھا ہوا ہے۔ ممکن ہے حضرت نے اولاً اس کا نام سبع طباق رکھا ہو۔ بعد میں تنشیط الطبع ہوا ہو۔ اگرچہ اس پر کوئی ترقیمہ وغیرہ درج نہیں مگر شاید مولانا ناظرحسن کے قلم سے ہے۔ اس پر مولانا کے ملکیتی دستخط ثبت ہیں۔ اور تاریخ ۱۷ دسمبر ۱۹۱۷ء۔ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ بھی۔

۳۔ مکتوب شریف حضرت اقدس۔ زیر نظر تحریر سرسید احمد کے نام اس مشہور خط کی نقل ہے جو حضرت حاجی امداد اللہ کے اشارہ اور مشورہ سے حضرت تھانوی نے لکھا تھا۔ اس کی قدیم ترین نقل مولانا ناظرحسن مکتوبہ رسائل میں محفوظ ہے۔ یہ نقل ۱۳۱۵ھ میں مرتب ہوئی۔ مولانا ناظرحسن لکھتے ہیں:۔

راقم سطور دعریضہ مذکور (؟) کمترین ناظرحسن تھانوی وارد حال شہر الہ آباد مدرسہ احیاء العلوم مورخہ ۲۲ رمضان ۱۳۱۵ھ ۱۴ فروری ۱۸۹۷ء۔ یہ خط حضرت تھانوی کی تالیف اصلاح الخیال میں شائع ہوگیا ہے۔ ممکن ہے حضرت نے اس کی نقل مولانا ناظرحسن کے ذخیرہ سے حاصل فرمائی ہو۔ حضرت نے اصلاح الخیال میں تحریر فرمایا ہے:

ایک شیخ کامل نے ایک خط نصیحت آمیز بعض معززین متبع خیالات جدیدہ کو تحریر فرمایا تھا جس کے بھیجنے کی نوبت نہیں آئی اس کی نقل بعض لوگوں کے پاس محفوظ تھی[2]۔ ۴۔ واقعات جلال خانی یا تاریخ جلال آباد۔ اس کتاب کا تعارف گزشتہ حواشی میں گزر گیا ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ یہ اسی کتاب کا ایک نسخہ ہے جو مولانا ناظرحسن نے شوال ۱۳۳۱ھ ستمبر ۱۹۱۳ء میں نقل کیا ہے یہ نسخہ ۵۶ صفحات پر مشتمل ہے فی صفحہ ۱۸-۲۰ سطور ہیں +

---

[1] تنبیہات وصیت صہ ۸ تالیفات اشرفیہ صہ ۳۳ [2] اصلاح الخیال طبع اول۔ مولوی محمد یحییٰ۔ گنگوہ

لیکن حضرت تھانوی نے المسک الذکی پر جو حواشی لکھے۔ اور ترمذی کی بعض مشہور و مقبول روایات کی جو شرح فرمائی وہ التواب الحلی کے نام سے شائع ہو گئی ہے۔ مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی متوفی ۱۳۷۷ھ نے حضرت کی حیات میں اس کی کتابت و طباعت کا انصرام کیا اور نادر علمی تحفہ دہلی پرنٹنگ ورکس دہلی سے شائع ہوا۔ سنہ طباعت درج نہیں۔

التواب الحلی کے آخر میں ضمیمہ التواب الحلی من المسک الذکی ملحق ہے۔ یہ بھی حضرت تھانوی کی تالیف ہے اس ضمیمہ کی تمہیدی سطور قارئین گذشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔ یہاں ایک اقتباس اور ملاحظہ ہو۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں :-

> " اسی اثناء میں (ترمذی کے) بعض متفرق مقامات کے متعلق کچھ اور حواشی عربی عبارت میں لکھنے کا اتفاق ہوا۔ جو بمنزلہ تتمہ مسک الذکی کے ہے اس تتمہ کا لقب التواب الحلی رکھدیا گیا جس کو آپ نے اوراق بالا میں ملاحظہ فرمایا ہے۔
>
> مسک ذکی کے چھپنے کا توفی الحال کوئی سامان نہیں ہے۔ اس لئے اس پر ابھی نظر اصلاحی نہیں کی گئی مگر توب حلی کے طبع کے وقت یہ خیال آیا کہ جتنا مضمون مسک ذکی کا خود میرے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ بوجہ اس مناسبت کے کہ وہ اس وصف میں التواب الحلی کے ساتھ شریک ہے۔ اس کے اس کو بھی طبع میں تابع بنا دیا جاوے "[2]

۴ - فوائد موطا امام مالک - تقاریر جلالین و ترمذی کی طرح فوائد موطا امام مالک بھی مدرسہ جامع العلوم کانپور کی باقیات الصالحات اور اس عہد کی یادگار ہے۔ جب مولانا ناظر حسن کانپور میں تعلیم پا رہے تھے۔ لیکن فوائد موطا، تقریر جلالین و ترمذی دونوں سے مختصر ہیں۔ اور مذکورہ دونوں تقریروں سے اس لحاظ سے مختلف بھی کہ تقریر ترمذی پر حضرت نے مستقل کام کرایا۔ اور تقریر جلالین کو حاصل فرما کر مجلس خیر کے ذخیرہ میں محفوظ کرا دیا اور دونوں کا اپنے اپنے موقع سے " تنبیہات وصیت " میں بھی تذکرہ فرمایا ہے۔ مگر فوائد موطا مالک کا نہ تنبیہات وصیت میں ذکر ہے۔ اور نہ ہی تالیفات اشرفیہ کی فہرست میں شامل ہے۔ مگر اس کی یہ گمنامی محل تعجب ہے۔ کیونکہ تقریر موطا اس مجموعہ رسائل میں مجلد ہے۔ جو مجلس خیر کے مصنفین کے مطالعہ و تحویل میں رہا ہے۔

---

[1] ماہنامہ الامداد تھانہ بھون صلا محرم ۱۳۳۷ھ [2] ضمیمہ التواب الحلی من المسک الذکی ص۶۳ طبع اول دہلی

اور اس پر مولانا احمد حسن سنبھلی کی یہ تحریر ثبت ہے۔

از احمد حسن بخدمت جناب قاری مولوی ناظر حسن صاحب۔ السلام علیکم
تیسری جلد بھی فارغ ہوگئی جو ارسال ہے۔ اس کے آخر میں دو رسالے مطبوعہ آپ ہی
کے ہیں جس وقت حضرت محررہ احقر کو ملاحظہ فرماویں گے۔ اس وقت دوبارہ طلب
کرلی جاوے گی۔ اگر شاید کہیں مراجعت کی حاجت ہوئی۔ ورنہ استعادہ کی حاجت نہ ہو
گی۔ از مدرسہ امداد العلوم

اور نسخہ فوائد موطا امام مالکؒ پر کم از کم ایک موقع پر مولانا سنبھلی کے قلم کی عبارت موجود ہے اور مولانا سنبھلی نے المسلک الذکی کے آخر میں فوائد موطا امام مالک کے کچھ اقتباسات نقل کئے ہیں اور لکھا ہے:۔

"یہ رسالہ اس وقت قبیل عصر، ۲۳ رجب ۱۳۱۵ھ بتہذیب مضامین احقر تمام ہوا۔"[1]

تینوں تحریرات شاہد ہیں کہ فوائد موطا امام مالک حضرت کے علم و نظر میں تھی۔ پھر کیا وجہ ہے جو حضرت کی تالیفات و افادات میں اس کا تذکرہ نہیں آتا؟

فوائد موطا امام مالک کا پیش نظر نسخہ جو حسب سابق مولانا ناظر حسن کے قلم سے ہمارے ذخیرہ کتب میں محفوظ ہے ۲۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ قلم طرز کتابت کاغذ اور تحریر وہی ہے جو گذشتہ تینوں کتابوں کی ہے۔

مولانا ناظر حسن رجب ۱۳۱۳ھ میں اس کی کتابت سے فارغ ہوئے۔ ترقیمہ کتاب میں رقم طراز ہیں:۔

"بتاریخ ۱۲ رجب ۱۳۱۳ھ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (کذا) روز سہ شنبہ راقم نے اس کو تمام کرکے فراغ حاصل کیا۔ الراقم: ناظر حسن کان اللہ لہ، کانپور مدرسہ جامع العلوم واقع جامع مسجد کانپور"

۵۔ موعظہ حسنہ: حضرت تھانوی کے مواعظ کی افادیت و تاثیر کے متعلق کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانا ہے حضرت نے زمانہ طالب علمی سے وعظ و ارشاد کا سلسلہ شروع فرمادیا تھا۔ اور ہرچہ از دل خیزد بر دل ریزد! اسی زمانہ میں اس کے تاثرات و ثمرات بھی ظاہر ہونے شروع ہوگئے تھے۔ جیسے جیسے وعظ و ارشاد کا سلسلہ وسیع ہوتا رہا۔ ایمان و اصلاح کی خوشبو بھی عام ہوتی گئی۔ مواعظ کی مقبولیت و افادیت و تاثیر ان کی ضبط و کتابت کا وسیلہ بنی۔

---

[1] المسلک الذکی علی جامع الترمذی، جلد اول ص ۴۶۰ فوائد موطا امام مالک اس نسخہ کے آخری دو صفحات ص ۴۵۹، ۴۶۰ پر نقل ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے ۱۳۱۹ھ میں مولانا حکیم محمد مصطفیٰ بجنوری ثم میرٹھی نے حضرت کے مواعظ قلم بند کئے[۱] اور اشرف المواعظ حضرت کے دستیاب مواعظ کا اولین مجموعہ ہے[۲]۔ مگر یہ دونوں باتیں صحیح نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا بجنوری کے ترتیب مواعظ سے بہت پہلے مولانا ناظر حسن حضرت کے مواعظ کے ضبط و کتابت کا کام شروع کر چکے تھے۔ لیکن مولانا کی عزلت و گمنامی اور وسائل کے فقدان کی وجہ سے ان مواعظ کے تعارف و اشاعت کا موقع نہیں آیا۔ مگر ان کی اولیت میں کوئی شبہ نہیں۔

مولانا ناظر حسن کے قلم بند کئے ہوئے تین مواعظ کا مجموعہ۔ جس کا مولانا نے موعظہ حسنہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ہمارے سامنے ہے۔ اس مجموعہ میں شامل پہلے دونوں وعظ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ جون ۱۸۹۵ء میں کیرانہ میں منعقد ہوئے۔ تیسرا اور آخری وعظ شوال ۱۳۱۵ھ فروری ۱۸۹۷ء میں الٰہ آباد میں بیان فرمایا۔ اور اسی وقت لکھا گیا۔ مولانا نے تینوں مواعظ کے ساتھ تاریخ ارشاد و کتابت درج کی ہے آخری وعظ کے آخر میں لکھتے ہیں:۔

"بتاریخ ۲ شوال ۱۳۱۵ھ روز پنجشنبہ۔ الراقم ناظر حسن تھانوی، وارد حال شہر الٰہ آباد
مدرسہ احیاء العلوم، مالک شیخ عبداللہ صاحب ٹھیکیدار ریلوے و مہتمم مولوی مسیح الدین
صاحب زاد اللہ شرفنا"

راقم سطور کا خیال ہے کہ یہ مواعظ حضرت کے ملاحظہ اور نظر اصلاحی سے گزرے ہیں کیونکہ بعض عبارات قلم زد ہیں۔ بعض میں اصلاح و ترمیم کی گئی ہے۔ اور ایک موقع پر یہ ہدایت بھی تحریر ہے:۔

"اس کو بخاری میں دیکھا جاوے اور الفاظ ملاتے جاویں"[۳]

بظن غالب یہ الفاظ حضرت کے قلم کی تحریر ہے۔

تینوں مواعظ کا مجموعہ، موعظہ حسنہ تئیس صفحات پر مشتمل، اور اس مجموعہ رسائل میں محفوظ ہے جس میں نور الناظرین، فوائد موطا امام مالک وغیرہ قلم بند ہیں ــــ حضرت کی اصلاح و نظر ثانی، مولانا سنبھلی کی تصدیق اور عرصہ دراز تک مجلس خیر کے شعبہ تصنیف و نظر ثانی میں مستعار رہنے کے باوجود مذکورہ بالا تینوں مواعظ کا مرآۃ المواعظ، تالیفات اشرفیہ اور اشرف السوانح میں کوئی تذکرہ نہیں۔ فیا للعجب!

۶۔ اضافات اشرفیہ۔ فل سکیپ سائز پر بظاہر مختصر سا صرف تین صفحات کا رسالہ ہے۔ مگر نہایت قیمتی

---

[۱] اشرف السوانح، خواجہ عزیز الحسن مجذوب ص۵۶ حصہ اول (دہلی ۱۳۵۴ھ) تالیفات اشرفیہ، مولوی عبدالحق فتحپوری ص۵۶ (لکھنؤ ۱۳۵۴ھ) [۲] ملاحظہ ہو: تمہید اشرف المواعظ، حصہ اول (راشد کمپنی دیوبند بلا سنہ)
[۳] فوائد موطا امام مالک ص۲۷ (نسخہ مرتب)

افادات سے پُر ہے۔ اس میں برزخ، روح، رویت باری تعالیٰ عز اسمہ ثبوت حلقہ بندی صوفیا، زیورات کی زکوٰۃ کی تحقیق فرمائی ہے۔ اور اسی رسالہ کے آخر میں مولانا کے نام حضرت کا وہ مکتوب بھی شامل ہے جس کا ابتدائی حصہ سطور بالا میں گذر گیا ہے۔ اس خط کے آخری حصہ میں ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز میں تیر لگ جانے، اور ان کے نماز نہ منقطع کرنے کے واقعہ کی توجیہ کی گئی ہے۔

زیر نظر رسالہ پر تاریخ وسن کتابت درج نہیں۔ مگر یہ جس مجموعہ رسائل میں شامل ہے وہ سب زمانہ کانپور کی یادگار ہیں:

۷۔ بصر الناظر۔ حضرت کے ملفوظات کا سب سے پہلا مجموعہ، جو حضرت تھانوی کے زمانہ کانپور میں مرتب ہوا اس پر تاریخ تدوین نہیں۔ بلکہ بعض ملفوظات پر شوال ۱۳۱۳ھ کی تاریخیں لکھی ہوئی ہیں۔ قیاس ہے کہ اسی سال میں یا بہت سے بہت اوائل ۱۳۱۴ھ مرتب ہوا ہوگا۔ مولانا نے اس مجموعہ کا نام "الفوائد البہیہ فی التذکرۃ الاشرفیہ" رکھا تھا۔ حضرت نے ترمیم فرما کر بصر الناظر کر دیا تھا۔ اسی موخر الذکر نام سے تالیفات اشرفیہ اور تنبیہات وصیت میں اس کا تذکرہ آیا ہے۔ مرتب تالیفات اشرفیہ لکھتے ہیں:۔

"بصر الناظر، یہ ان ملفوظات شریفہ کا مجموعہ ہے جن کو جناب مولوی ناظر حسن صاحب تھانوی نے قلم بند فرمایا تھا۔" [۱]

مؤلف کا مکتوبہ نسخہ، ۴ ملفوظات اور فل سکیپ سائز کے بیس صفحات پر مشتمل ہے۔ راقم سطور کی معلومات کے مطابق اس مجموعہ کا کوئی اور نسخہ دستیاب نہیں۔

۸۔ ناظر الباصر۔ مولانا ناظر حسن کی اولیات کی ایک اور یادگار اور حضرت کے مکتوبات کا پہلا ذخیرہ ہے اس کا کوئی نسخہ راقم سطور کے علم میں نہیں۔ اور مکتوبات کی نوعیت، تعداد اور مکتوب الیہم کے متعلق معلومات کا بھی فقدان ہے۔ ناظر الباصر کے متعلق معلومات کا ذریعہ صرف تالیفات اشرفیہ، اور تنبیہات وصیت کی مبہم اطلاعات ہیں [۲]

۹۔ کمالات اشرفیہ۔ مولانا ناظر حسن نے جامع العلوم کانپور میں حضرت کے افادات و ارشادات پر مبنی جو متعدد مجموعے مرتب کئے ان میں سے ایک مجموعہ کا نام کمالات اشرفیہ ہے۔ مولانا نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں ایک موقع پر نقل کیا ہے:۔

---

[۱] تالیفات اشرفیہ ص ۶۷ لکھنؤ ۱۳۵۷ھ۔ نیز ملاحظہ ہو ماہنامہ النور تھانہ بھون ص ۵۰۔ رجب شعبان ۱۳۴۳ھ

[۲] " " " نیز رجوع فرمائیے ماہنامہ الامداد تھانہ بھون ص ۳۵ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

" باقی اس مقام کے متعلق تقریر کمالات اشرفیہ میں مذکور ہوئی۔ وہاں دیکھنا چاہیے۔"[1]

مذکورہ اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کمالات اشرفیہ، تفسیر اشرفیہ کی تدوین ذی قعدہ ۱۳۱۳ھ سے پہلے مرتب ہو چکی تھی۔ اور شاید علوم قرآنی سے متعلق مباحث پر مشتمل ہو۔

افسوس کہ اس ناقص و نا تمام اطلاع کے علاوہ کمالات اشرفیہ کے متعلق کوئی اور معلومات دستیاب نہیں۔

۱۰ الناظر الحسن الی تاریخ تھانہ بھون

تھانہ بھون ایک قدیم بستی ہے بعض روایات کے مطابق اس کی تاریخ ماقبل اسلام تک جاتی ہے[2] اور بقول لالہ نند کشور

" ۳۶۹ھ میں محمود غزنوی نے تھانہ بھیم، تھانہ بھون کو فتح کیا۔"[3]

---

[1] تفسیر اشرف صد ۵، جلد اول (نسخہ مؤلف)

[2] تھانہ بھون کی اساس اولیں اور قدیم آبادی کی نسبت یقین سے کچھ کہنا آسان نہیں۔ مختلف اطلاعات کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ یہاں ایک پرانی جھیل تھی۔ اس کے کنارے بھوانی دیوی کا مندر تھا۔ مندر سے تین میل شمال میں موضع میہنا آباد تھا۔ مؤلف واقعات جلال خان نے لکھا ہے:۔

آبادی کھیڑہ منہار ترا انداز دو ہزار سال ہے صد ۲ (نسخہ مولوی عبدالرزاق۔ یہاں آج کل جلال آباد واقع ہے۔ یہ دونوں مقامات راجہ بہو کے زیر نگیں تھے۔ مندر یا راجہ کی وجہ سے تانہ بہو، تھانہ بھوا اور تھانہ بھیم کہلایا۔ اکبر کے فرامین میں تانہ بہوا اور تھانہ بھیم دونوں استعمال ملتے ہیں۔ تعجب ہے کہ آئین اکبری میں سرکار سہارنپور کے تحت بہنون اور تھانہ بھیم دونوں کا الگ الگ اندراج ہے۔ آئین اکبری صد ۲۹۰ ج ۲ (سرسید اڈیشن) مولانا ناظر حسن کی تحقیق کے مطابق نواب [illegible] خان نے اپنے بیٹے کے نام پر محمد پور سے موسوم کیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانے میں [illegible] الدین ناظم سہارنپور نے محمد پور نام رکھا جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد تک محمد پور عرف تھانہ بھون لکھا جاتا تھا۔

[3] تاریخ سہارنپور، مؤلفہ لالہ نند کشور صد ۳۰ (سہارنپور ۱۸۷۷ء) اس اندراج کی دونوں باتیں غلط ہیں ۳۶۹ھ میں سلطان محمود غزنوی کی عمر بارہ تیرہ سال کی ہو گی اس وقت ہندوستان آنا ثابت نہیں۔ مؤلف تاریخ سہارنپور کو [illegible] "نگر کوٹ قلعہ تھانہ بھیم صد ۲۶ تاریخ فرشتہ (نولکشور کانپور ۱۳۰۱ھ) سے اشتباہ ہوا۔ اور قلعہ تھانہ بھیم سے تھانہ بھون مراد لیا۔ حالاں کہ یہ صحیح نہیں۔ قلعہ تھانہ بھیم کی فتح والے سفر میں سلطان نواح دہلی و میرٹھ نہیں آئے۔ اس واقعہ کے [illegible] سال بعد ۴۰۹ھ میں میرٹھ فتح ہوا۔ اس وقت سلطان نے اس نواح میں نزول فرمایا (فرشتہ صد ۲۹) مگر اس وقت تھانہ [illegible] تھانہ بھون میں کوئی قلعہ تھانہ سلطان یہاں آئے۔ مولانا ناظر نے انساب اہل تھانہ (باقی اگلے صفحہ پر)

مگر یہ دونوں روایات قرینِ صحت نہیں۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ دہلی میں اسلامی حکومت کے ابتدائی زمانہ سے مسلمان اطراف دہلی میں آباد تھے۔ سلطان شہاب الدین محمد غوری کے عہد میں تھانہ بھون، جھنجانہ، کیرانہ وغیرہ میں صدیقی فاروقی شیوخ کے وارد و آباد ہونے کی روایات ملتی ہیں۔

تھانہ بھون کے قدیم ترین معلوم بزرگ حضرت شاہ شمس الدین شاہ ولایت کے جد بزرگوار یوسف ہیں۔ جو چھٹی صدی ہجری کے آخر میں ہوئے[1] خود شاہ ولایت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی[2] کے خلیفہ بتائے جاتے ہیں[3] شیخ یوسف صدیقی کے بعد فاروقی خاندان کے ایک رکن قاضی محمد نصر اللہ غالباً سلطان شمس الدین التمش کے دور میں تھانہ بھون پہنچے۔ یہی فاروقیان تھانہ بھون کے مورثِ اعلیٰ ہیں۔ ان کی اولاد میں اور دوسرے خاندانوں میں بھی عرصہ دراز تک علم و فلاح کا سلسلہ جاری رہا اور یکے بعد دیگرے ممتاز اہل علم و ارشاد اور اصحاب کرامت و مناجات پیدا ہوتے رہے۔ ان میں ایسے افراد کی کمی نہیں تھی جو رزم و بزم کے شہسوار، پیکار و یلغار کے دھنی اور عزم و استقامت کے پیکر تھے۔ ان لوگوں نے اپنے اپنے زمانہ میں اسلام اور مسلمانوں کی جو خدمات انجام دیں وہ محتاج تعارف نہیں۔ ان کے علم و اخلاص کی خوشبو آج بھی فضاؤں میں رچی بسی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اور ان کے نقشِ پا اہل نظر کے لئے سرمایہ بصیرت اور مینارۂ نور ہیں۔

مگر اضلاع سہارنپور و مظفر نگر کے دوسرے قصبات کی طرح تھانہ بھون کی بھی کوئی ایسی جامع اور مفصل تاریخ موجود نہیں تھی جس میں تھانہ بھون کے ماضی، تاریخی آثار، علماء صوفیا اور دوسرے اہلِ کمال کا تذکرہ ہو۔ مولانا ناظر حسن نے اس کوتاہی اور ضرورت کا احساس کیا۔ اور ۱۹۰۸ء میں مظفر نگر سے وطن واپسی کے بعد تاریخ

بقیہ بھون کے ضمیمہ میں ایک تحریر نقل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی کے بعض رفقاء لشکر تسخیر قنوج کے بعد تھانہ بھون آکر آباد ہوئے تھے۔

[1] البیان المتین فی بعض احوال الشیخ شمس الدین میں اس کی کچھ تفصیل درج ہے۔ رسالہ البیان المتین کا ایک قلمی نسخہ (مکتوبہ ۱۳۰۴ھ بدست فیض الحسن قریشی کاندھلوی) حضرت تھانوی کو حاصل ہوا تھا۔ حضرت نے اس کو طبع کرا دیا۔ ملاحظہ ہو ماہنامہ النور تھانہ بھون رجب ۱۳۵۶ھ ص ۵ تا ۲۷۔ البیان المتین کا دوسرا ایڈیشن مکتبہ اشرفیہ لاہور سے نکلا۔ جو تربیت السالک جلد سوم کے ساتھ ملحق ہے۔ اس کتاب کا مصنف نامعلوم ہے۔ ممکن ہے کسی فارسی کتاب کا ترجمہ ہو۔ مگر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی طرف اس کی نسبت قطعاً غلط ہے۔ [2] حضرت خواجہ نے ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ میں رحلت فرمائی۔ ملاحظہ ہو ترجمہ سیر العارفین جمالی۔ ترجمہ پروفیسر محمد ایوب قادری ص ۱۴۱ (لاہور ۱۹۷۶ء) نیز رجوع فرمایئے نزہۃ الخواطر مولانا عبدالرحمن حسنی ج ۱ ص ۱۹۸ (حیدر آباد ۱۳۶۶ھ) [3] رسالہ البیان المتین

[تھ]انہ بھون لکھنے کے لیے مسالہ جمع کرنا شروع کیا۔ اور کوئی سال کی کد و کاوش کے بعد تھانہ بھون کے متعلق شاہی [فر]امین قدیم دستاویزات و اطلاعات کا ذخیرہ فراہم کرنے میں کامیاب ہوئے۔

مولانا ناظر حسن کے معاشی حالات اور گھریلو الجھنوں کی وجہ سے اس مواد کی ترتیب میں شاید دیر لگتی۔ مگر [حس]ن اتفاق کہ اسی زمانہ میں ولی عہد بھوپال نے اپنے خاندانی تعلقات[1] کی وجہ سے جلال آباد ضلع مظفر نگر کی تاریخ [مرت]ب کرنے کا ارادہ کیا اور البرامکہ کے نامور مؤلف مولوی عبدالرزاق کانپوری اس کے سر دفتر مقرر ہوئے۔ مولوی [عب]دالرزاق کانپوری نے کام شروع کیا تو شاید ان کو اندازہ ہوا کہ جلال آباد کا ماضی تھانہ بھون کے ماضی سے جلال آباد [کی] تاریخ تھانہ بھون کی تاریخ سے، جلال آباد کے اہل علم و صلاح تھانہ بھون کے ارباب تعلیم و تدریس سے اور جلال آباد [کی] عوامی زندگی تھانہ بھون کے کوچہ و بازار سے اس طرح وابستہ ہے۔ کہ تھانہ بھون کو نظر انداز کر کے جلال آباد کی [تا]ریخ سے انصاف ممکن نہیں۔ اس خیال نے مولوی عبدالرزاق کو تاریخ تھانہ بھون کی طرف متوجہ کیا اور وہ معلومات [و] کاغذ کی تلاش میں جلال آباد و تھانہ بھون آئے۔ جلال آباد میں جو ملا سو ملا، تھانہ بھون میں مؤلف البرامکہ کی بڑی کامیابی مولانا ناظر حسن سے ملاقات تھی۔ مولانا نے ہم ذوق مہمان کو اپنا ذخیرہ دکھایا۔ تھانہ بھون کے خانوادوں اور

---

[1] خوانین جلال آباد اور نوابان ریاست بھوپال کے خاندانی مراسم قدیم تھے۔ سلطان دولہا نواب احمد علی خاں خلف [نو]اب محمد خان جلال آبادی (متوفی ۱۲۸۱ھ ۱۰ مارچ ۱۸۶۴ء) کا نواب سلطان جہاں والیہ بھوپال کا ذی الحجہ ۱۲۹۱ھ یکم [جنو]ری ۱۸۷۵ء میں عقد ہوا۔ خاندانی تعلقات اور اس نسبت کی وجہ سے نوابان بھوپال کو تاریخ جلال آباد سے خاص [دل]چسپی رہی ہے اس شوق کے نتیجے میں متعدد کتابیں لکھی گئیں۔

سب سے پہلے نواب سلطان جہاں کی فرمائش پر مولوی علاء الدین فرخ جلال آبادی نے ۱۲۹۹ھ میں ایک کتاب لکھی دوسری کتاب "واقعات جلال خانی" نواب احمد علی خاں کے حسب ہدایت محمد علی خاں بن روشن خاں جلال آبادی [نے] ۱۳۰۲ھ میں تالیف کی۔

اس سلسلہ کی تیسری کتاب لکھنے کے لئے مولوی عبدالرزاق کانپوری کا تقرر ہوا۔ جب ۱۵-۱۹۱۴ء میں علامہ سید [س]لیمان ندوی کی مولوی عبدالرزاق سے ملاقات تو وہ اسی خدمت پر مامور تھے۔

ملاحظہ ہو یادرفتگان علامہ سید سلیمان ندوی ص ۴۰۷ (کراچی ۱۹۵۵ء)

اول الذکر دونوں کتابیں راقم سطور کی نظر سے گذری ہیں۔ تالیف مولوی علاء الدین کا ایک نسخہ اور واقعات جلال [خانی] کے دو نسخے ایک نقل مولانا ناظر حسن کے قلم سے ہے۔ مکتوبہ ۱۳۴۱ھ دسمبر ۱۹۲۳ء میں مولوی عبدالرزاق نے اپنے [لئے] نقل کرایا تھا۔ اس پر البرامکہ کے قلم سے نوٹس اور ہدایات تحریر ہیں۔

ایسے افراد سے ملاقاتیں کرائیں جن کے پاس نجی کاغذات تھے۔ مولوی عبدالرزاق مولانا کے مخلصانہ تعاون اور بیش قیمت کاغذات کے مطالعہ سے ممنون ومسرور ہوئے۔ اور مولانا سے وعدہ کیا کہ اگر آپ تاریخ تھانہ بھون مرتب کردیں تو وہ تاریخ جلال آباد کے ساتھ شایان شان طریقہ پر شائع ہوگی۔ اس غیر متوقع پذیرائی سے مولانا کے افسردہ دلوں تازہ ہوگئے۔ اور نئے عزم وارادہ کے ساتھ تاریخ کی تدوین میں مصروف ہوئے۔ مولانا تھانہ بھون میں گھر گھر گئے۔ ہر شریف ودنی سے ملاقات کی۔ معلومات اکٹھی کیں۔ لیکن چھ سات ہزار کاغذ دیکھے ان سے مواد اخذ کیا۔ سن رسیدہ ومعمر اشخاص سے ملے۔ عمارات وکتبات کا جائزہ لیا۔ تاریخ تھانہ بھون بھون پر لکھی گئیں کتابوں کا سراغ نکالا۔ ان سے اخذ واستفادہ کیا[1]۔ دیگر ماخذ کی تلاش کی۔ اور وسیع مطالعہ وجستجو کی روشنی میں صحیح وغلط کو پرکھ کر ایک نئی تاریخ کی طرح ڈالی جو تھانہ بھون کے حالات پر سب سے وسیع ذخیرہ ہے۔ حضرت تھانوی نے اس کتاب کو

"الناظر الحسن الیٰ تاریخ تھانہ بھون"

کے نام سے موسوم کیا۔ مولانا ناظر حسن کا قول ہے:۔

" وہ ان تاریخی حالات کو قدوۃ السالکین مولائی ومرشدی حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم نے ملاحظہ فرماکر خود بخود نام الناظر الحسن الیٰ تاریخ تھانہ بھون

---

[1] تاریخ تھانہ بھون پر چار کتابیں مولانا ناظر حسن کی نظر سے گذری ہیں۔

الف۔ تاریخ تھانہ بھون جو ۱۸۵۷ سے پہلی تصنیف ہے۔ مصنف نامعلوم۔

ب۔ تاریخ تھانہ بھون از مولانا شیخ محمد تھانوی۔ یہ کتاب تاریخ بھون کے موضوع پر اردو کا واحد مطبوعہ ماخذ ہے۔ مؤلف کے نسخہ کو اساس بناکر جناب ثناء الحق صدیقی نے مرتب کیا ہے۔ اور دو قسطوں میں رسالہ البلاغ کراچی میں چھپا۔

تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اکثر اندرجات درست نہیں مگر مولانا ناظر حسن نے اس کے اغلاط پر مفصل بحث کی ہے۔

ج۔ تاریخ تھانہ بھون تالیف مولوی محمد اسحاق خلف میاں جی رسول بخش تھانوی مؤلفہ ۱۸۹۹ء

د۔ تاریخ منظوم معرکہ ۱۸۵۷ء تالیف شیخ احمد گنگوہی مولفہ ۱۲۹۳ھ ۱۸۷۶ء پہلی تینوں کتابیں مولانا ناظر حسن کے سامنے رہی ہیں آخر الذکر مولانا نے دیکھی ہے مگر اس سے استفادہ کا موقع نہیں ملا۔ تاریخ تھانہ بھون میں کوئی حوالہ درج نہیں اس منظومہ کا ایک خطی نسخہ راقم سطور کی نظر سے گزرا ہے مولف نے اس کو احوال یادگار قاضی صاحب کے نام سے موسوم کیا ہے یہ منظومہ جنگ آزادی شاملی وتھانہ بھون پر نہایت اہم تالیف ہے۔

تجویز فرمایا ہے۔ جو نمبر کا ؔ و تیمناً احقر نے سرورق پر لکھ دیا ہے :

اس کتاب میں تھانہ بھون کی پرانی آبادی، مسلمانوں کی آمد، مختلف فرماں رواؤں کی حکمرانی، شاہجہاں کے عہدِ حکومت میں نواب شکار خاں کے ذریعہ تھانہ بھون کی نئی تعمیر، مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مختلف خاندانوں اہلِ پیشہ و اہلِ حرفہ کی خاص تناسب و ترتیب سے آباد کاری۔ تھانہ بھون کے عمارات و محلات۔ اہلِ تھانہ بھون کے مالی وسائل اور خوشحال کا تذکرہ۔ احمد شاہ ابدالی کی آمد، ضابطہ خاں کی حکمرانی۔ غلام قادر روہیلے کے احوال، سکھوں کی یورش۔ ہندوؤں، جاٹوں اور مرہٹوں کے تھانہ بھون پر حملے، اطراف کے بعض زمینداروں کے دھاوے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی تفصیلات۔ اہلِ تھانہ بھون کی جاں بازی و سرفروشی کا تذکرہ اور تھانہ بھون کی بربادی و ویرانی کی دیدہ و شنیدہ حکایت قلم بند کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ تھانہ بھون کے مختلف خاندانوں کا تعارف۔ تھانہ بھون میں ورود، تھانہ بھون کے علماء و صلحا، حفاظ، اطباء، شعراء، مشائخ طریقت، صوفیا و فقراء۔ اہلِ جذب و سلوک۔ سرکاری عہدہ داراں، سب ہی کا تذکرہ ہے۔ کتاب کی وسعت و ثروت کا اس سے اندازہ کیجئے کہ اس میں ۸۶ علماء ۳۰ مشائخ طریقت ۱۶۰ اطباء ۰ قاضی صاحبان ۵۵ شعراء اور ۲۵ سرکاری منصب داران کا احوال مذکور ہے۔ الناظر الحسن کی اس وسعت و جامعیت کا تذکرہ کرتے ہوئے حافظ احسان الحق احسان تھانوی نغمہ سرا ہیں :-

مرحبا اے بلبلِ باغ سخن	مولوی و قاری ناظر حسن
گو ہوئے پہلے بھی شعرائے بلیغ	صاحبِ تصنیف اور اہلِ سخن
کی نہ لیکن وقف اپنی زندگی	بہر ضبط حال و تاریخ وطن
کس قدر خاکِ وطن سے اٹھ چکے	اپنے اپنے فن میں کامل اہلِ فن
حضرتِ ادریس و فاروقی کو بھی	ولولہ تھا یہ دلوں میں جوش زن
منضبط حالات بھی کچھ کر لئے	رک گئے پھر دیکھ کر منزل کٹھن
آخرش کی پیش قدمی آپ نے	لے گئے میدان سے گوئے سخن
جملہ حالاتِ گزشتہ مل گئے	ہے یہ امداد خدائے ذوالمنن
خوب لکھی حالتِ عہدِ قدیم	خوب دکھلایا ہے موجودہ چلن
تسمیہ کی وجہ بھی سچی لکھی	سب پتہ چلتا ہے جس سے من وعن
نامہائے صوفیائے ماسبق	اسمہائے نیک علمائے کہن
رشکِ افلاطوں اطبائے سلف	عہدِ دیرینہ کے لائق اہلِ فن

واقعات فتنہ ایام غدر — اور اس ہنگامہ کا حال وطن
فاضلانہ رنگ میں دکھلا دیا — زندہ باد اے حافظ ناظر حسن
یہ شرف اس ذات سامی سے ملا — سنگریزہ جس سے ہو دُرِ عدن
سالک راہ شریعت بالیقیں — عارف حق دین کی روح اور تن
جانشین کاملان سابقین — یادگار کمّل تھانہ بھون
یعنی حضرت مولوی اشرف علی — افتخار عالم و فخر زمن
آپ کے فیض قدم سے ہو گیا — وادی گلزار رشک صد چمن[1]

حضرت تھانوی کو مولانا ناظر حسن کی تاریخ تھانہ بھون سے دلچسپی اور ذوق وجستجو کا حال پہلے سے معلوم تھا۔ یا مولوی عبدالرزاق البرامکہ کے آنے کے بعد ہوا۔ بہرصورت حضرت نے مولانا کی تاریخ تھانہ بھون سے دلچسپی اور اس موضوع پر تالیف کے جذبہ کی تحسین کی۔ اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا اور مولانا کے ساتھ پورا پورا تعاون فرمایا۔ اپنی معلومات سے مستفید کیا[2] دور دست مقامات جیسے پونہ، بھوپال وغیرہ میں مقیم اہل تھانہ بھون سے ان کے کاغذات طلب فرما لئے۔ اور مولانا کو ان سے استفادہ کا موقع دیا۔ ایسے لوگوں کو خطوط لکھے۔ جو خاندانی اختلافات یا عہدہ ومنصب کی وجہ سے مولانا سے مراسلت ومکاتبت پسند نہ کرتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ ہوا کہ حضرت نے مولانا کا ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ اس رقم کی صحیح مقدار معلوم نہیں مگر جس قدر بھی ہو نامساعد معاشی حالات میں بڑا سہارا اور نعمت غیر مترقبہ ہوگی۔ یہ وظیفہ تقریباً دو سال ...

---

[1] الناظر الحسن الی تاریخ تھانہ بھون صد ۵۵۱ تا ۵۵۲

[2] یادش بخیر! تھانہ بھون اور اہل تھانہ بھون حضرت تھانوی کے لئے بھی مطالعہ وتحقیق کا موضوع رہے ہیں۔ حضرت نے تاریخ تھانہ بھون پر فارسی میں ایک کتاب تحریر فرمائی۔ اور علماء ومشائخ تھانہ بھون کا تذکرہ لکھا۔ مگر یہ دونوں کتابیں حضرت کی حیات میں گمنام وبے نشان ہو گئی تھیں۔ حضرت اپنی ان کتابوں کے ذیل میں "جو لکھنے کے بعد مسودہ کی حالت میں ضائع ہو گئیں" تحریر فرماتے ہیں:-

"تاریخ تھانہ بھون بعبارت فارسی، اس کی تبییض بھی ہو چکی تھی۔ خزینۂ بابرکت یعنی تذکرہ علماء ومشائخ تھانہ بھون (مولفہ ۱۲۹۷ھ) یہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی نظر انور سے گزر چکی تھی"

تنبیہات وصیت صد ۱۲ (میرٹھ ۱۳۳۰ھ)

جاری رہا[1]۔ اور اتنی ہی مدت میں تاریخ تھانہ بھون مکمل ہوئی۔ تمام تقریظ نگاروں نے حضرت کی سرپرستی اور رہنمائی کا نہایت ممنونیت و انبساط کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔ حافظ احسان الحق تھانوی کے خیالات او پر گزر ے۔ دوسرے شعراء کے افکار ملاحظہ ہوں :۔

وہ چہ آوردی شمیم جانفزا	حبذا اے نکہت باغ وطن
فرحتِ تازہ رسید اندر دلم	انبساطے یافت جسم و جانِ من
حبذا تاریخ چوں انجام یافت	شد پسند حضرت فخر زمن
واقف فرع و اصول معرفت	کاشف سر کتاب ذی المنن
ہادی دین متین شاہ دین	شرح فرمائے احادیث و سنن
مسند آرائے سریر معرفت	جلوہ بخش قصبہ تھانہ بھون
مرشد پیر و جواں اشرف علی	دستگیر بیکساں ماوائے من
بر سر منزل رسیدی مرحبا	چوں کمر بستی باین کار حسن
شاد مولانا ازیں تاریخ شد	شاد باش اے مولوی ناظر حسن
از تو آمد ایں چنیں کار بزرگ	شد مدون از تو تاریخ وطن
نام نیک رفتگاں کردی تو یاد	بر تو پاشم مشک تا تار و ختن
گشت طشت از بام علم و فضل شاں	زندہ شد نام بزرگان وطن
صد ہزاراں آفریں بر جان تو	ایں چنیں تحقیق و ایں گونہ سخن
سعی تو مشکور گرداند خدائے	صانک اللہ عن بلیات الزمن

گفت ہاتف بہر تاریخ رشید
آں چہ ذکر دلکش تھانہ بھون[2]

ایک اور تقریظ کے چند اشعار نذر قارئین ہیں۔

زہے تاریخ اسلاف زمانہ	پسند طبع نقادان فن شد
پئے دیدار آں یوسف جمالے	زلیخا وہ بیا زار سخن شد

---

[1] حضرت نے تنبیہات وصیت کے بعض ضمائم میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے راقم سطور کی نظر سے گزرا ہے۔ حوالہ اس ۔ت سامنے نہیں

[2] الناظر الحسن الی تاریخ تھانہ بھون عہ ۵۵۱

بحسن دل ربا ہر ہفت بودہ — بکام دوستان انجمن شد
مسمی گشت با اسم مولف — عجب کارے کہ از ناظر حسن شد
بفرمودہ جناب اشرف دیں — خوشا مجموع احوال وطن شد
ببیں تقدیر قصبہ را کہ امروز — بفر فیض ایں ہما سایہ فگن شد
جو فکرم کار کردہ بہر سالش — حصول مدعائے جامن شد (کذا)
سر تالیف را تاریخ گفتم — پسند خاطر اہل وطن شد ۱۳۳۱ھ

بگو احسن برائے اختتامش
کہ آساں مخزن تھانہ بھون شد[1]
۱۳۳۳ھ

اہل تھانہ بھون نے الناظر الحسن الی تاریخ تھانہ بھون کا بہت مسرت کے ساتھ استقبال کیا۔ تاریخی مادے نکالے۔ قطعات تاریخ کہے۔ اور خوبصورت تقریظات سے نوازا۔ اور خود حضرت تھانوی کی نگاہ میں بھی اس کی بہت وقعت تھی۔ حضرت شیوخ تھانہ بھون کے خاندان ونسب اور قدیم معلومات کے سلسلہ میں مولانا کی تحقیقات پر اعتماد کرتے، اور اپنی تحریرات میں ان سے استناد فرماتے رہتے تھے[2] بلاشبہ یہ مولانا کی محنت واخلاص کا کمال ہے۔ کہ انہوں نے اپنے اہل خاندان، اہل وطن اور ایسے لوگوں سے اپنے کام کی داد وصول کی جو ارباب علم وفضل اور مطالعہ وتحقیق کے رمز آشنا تھے۔

الناظر الحسن الی تاریخ تھانہ بھون اواخر جولائی ۱۹۱۳ء شعبان ۱۳۳۱ھ میں شروع ہوئی۔ اور دو سال کی محنت وکاوش کے بعد ۲۲ رجون ۱۹۱۵ء شعبان ۱۳۳۳ھ میں اختتام کو پہنچی، ضمائم وغیرہ سب ملا کر فل سکیپ سائز کے چھ سو اسی صفحات پر مشتمل ہے۔ عموماً فی صفحہ سولہ سطور ہیں۔ تحریر بہت کشادہ اور جلی ہے۔ پیش نظر نسخہ ان متفرق مضامین کا مجموعہ ہے۔ جو مولانا ناظر حسن بھوپال بھیجتے رہے افسوس کہ اس مجموعہ میں نادر دستاویزات وفرامین اور تھانہ بھون کے بعض قدیم آثار کی وہ تصاویر

---

[1] الناظر الحسن الی تاریخ تھانہ بھون ص ۵۵۰ [2] حضرت ایک موقع پر تحریر فرماتے ہیں:-
شیخ آدم یعنی عتیق اللہ کے دادا کا بعہد ابوالمظفر نورالدین جہانگیر بادشاہ۔ خطیب ہونا عزیزم مولوی ناظر حسن نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے جو ابھی قلمی ہے۔ تتمہ ثالثہ تنبیہات وصیت ص ۹۔ یہی عبارت تنبیہات وصیت کے جامع التتمات میں بھی ہے ص ۱۱ (کانپور ۱۳۴۳ھ) ایک اور حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو ضمیمہ تتمہ رابعہ۔ ماہنامہ الامداد تھانہ بھون ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ ص ۳۶، ۳۷۔ اس کے علاوہ بھی متعدد مقامات پر تاریخ تھانہ بھون کا حوالہ موجود ہے۔

شامل نہیں جو مولانا نے مولوی عبدالرزاق کو ارسال کی تھیں معلوم نہیں وہ تصویریں کہیں محفوظ ہیں یا ضائع ہوگئیں؟

۱..... مختصر حالات زندگی حافظ منشی محمد... مرحوم رئیس قصبہ تھانہ بھون۔ ملقب بہ تتمہ الناظر الحسن الی تاریخ تھانہ بھون۔ یہ ضمیمہ تاریخ تھانہ بھون سے الگ بھی ہے اور مختلف بھی۔ اس میں مولانا نے بعض اہل خاندان کے گفتنی و ناگفتنی حالات درج کئے ہیں۔ بڑی عجیب دلدوز اور عبرت انگیز کہانی ہے۔ اور اس کا انجام بھی ایسے عام واقعات سے کچھ مختلف نہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس تحریر کو تصنیفات میں شمار کرنا کچھ موزوں نہیں۔ شاید اسی وجہ سے مولانا نے اس کو الناظر الحسن سے بالکل الگ رکھا ہے۔

فل سکیپ سائز کے چوراسی صفحات پر مشتمل یہ تحریر جنوری ۱۹۱۵ء۔ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ میں مرتب ہوئی۔ اور چند دن کے بعد فروری میں حضرت تھانوی کے ملاحظہ سے گزری۔ مولانا ناظر حسن نے لکھا ہے

"آج ۴ فروری ۱۹۱۵ء حضرت مولانا صاحب کے ملاحظہ اقدس سے واپس آئے۔ حضرت نے اس ناچیز تحریر کو پسند فرمایا ہے"

۱۱۔ شجرۃ الانساب تھانہ بھون۔ الناظر الحسن میں تھانہ بھون کے مختلف خاندانوں کا تذکرہ ہے۔ اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تھانہ بھون میں کون کونسا خاندان کس وقت سے آباد ہے اور اس کی کیا علمی معاشی دینی اہمیت رہی ہے۔ مذکورہ تعارف کے بعد ضروری تھا کہ مختلف خاندانوں کی ذیلی شاخوں اور ان کے باہمی تعلقات کی نوعیت بھی سامنے ہو۔ اس لئے مولانا ناظر حسن نے اہل تھانہ بھون کے مفصل شجرے مرتب کئے۔ زیر تعارف کتاب میں تھانہ بھون کے شیوخ۔ سادات کرام اور خصوصاً فاروقی خاندان کی ذیلی شاخوں کا مفصل تذکرہ ہے۔ اور بیرون تھانہ بھون کے کچھ ایسے خاندانوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جن سے شیوخ تھانہ بھون کے شادی بیاہ کے تعلقات ہیں۔

شجرۃ الانساب اور الناظر الحسن سے بعض [illegible] انکشافات ہوتے ہیں جن میں راقم سطور کے لئے سب سے زیادہ اہم اور پُرمسرت اطلاع یہ ہے کہ قاضی نجابت علی خاں اور ان کے اہل خاندان[۱] کاندھلہ کے رہنے والے قدیم باشندے ہیں۔ قاضی محمد منعم فاروقی تھانوی جو تھانہ بھون کے سرکاری قاضی تھے، لاولد رہے۔ انہوں نے اپنے بھانجے نجابت علی خاں کو اپنا وارث اور جانشین نامزد کیا۔ اس لئے قاضی نجابت علی کاندھلہ سے تھانہ بھون منتقل ہوئے۔ اور قاضی محمد منعم کی وفات کے بعد تھانہ بھون کے قاضی مقرر ہوئے اس وقت سے ۱۸۵۷ء تک تھانہ بھون کی قضیات قاضی نجابت علی کے خاندان میں رہی اور یہ خاندان فاروقی اور تھانوی سمجھا گیا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے +

۱۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں معرکہ جہاد شاملی کے سرخیل و پیشوا قاضی عنایت علی اور قتیل بے گناہ قاضی عبدالرحیم اسی خانوادہ کے گل سرسبد تھے۔
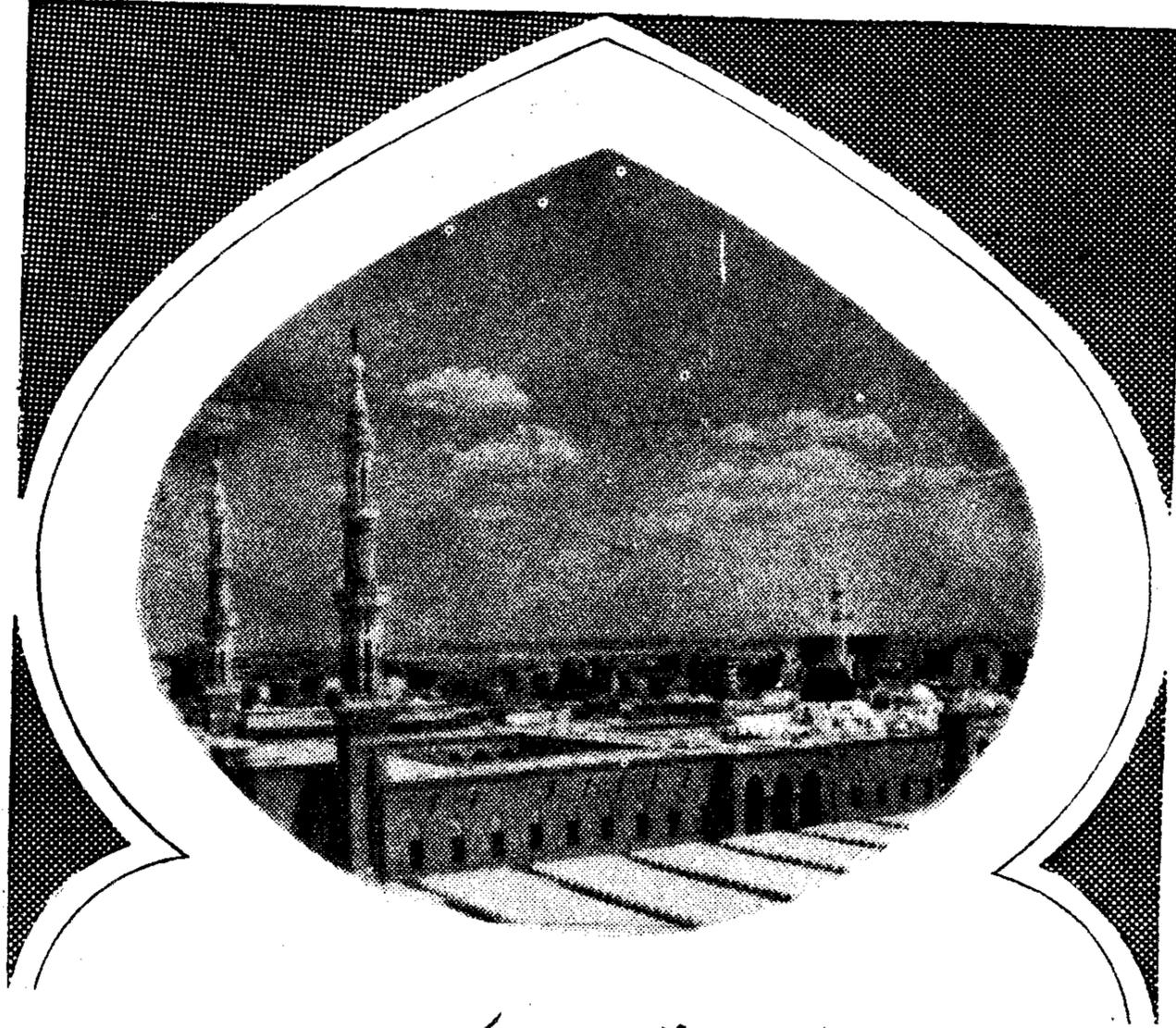
قارئین بنام مدیر

افکار و تاثرات

- سرظفر اللہ اور قائد اعظم ۔ (غلام محمد صاحب۔ کراچی)
- پاکستان میں شیعہ آبادی ۔
- باچا خان اور ملا ۔ (ابو عمار قریشی)
- سوانح نگاروں کی نسبی تعلق میں بے احتیاطی۔ (پروفیسر محمد اسلم لاہور)

سرظفر اللہ اور قائد اعظم | کچھ دیر پہلے اکتوبر کا الحق موصول ہوا۔ " برطانوی دور کی شخصی یاد گار سرظفر اللہ" والا مضمون خاص طور پر لفظاً لفظاً پڑھا۔ اس طبع شدہ مضمون کے صفحہ ۲۴ کے دوسرے پیراگراف کے ختم تک، سرظفر اللہ کی کارستانیوں کی تفصیل لکھ کر فاضل مضمون نگار نے اس صفحہ کا تیسرا پیراگراف " سرظفر اللہ نے پاکستان کے وزیر خارجہ کے طور پر ـــــ " کے الفاظ سے جو شروع فرمایا ہے تو پڑھنے والے کو یہاں واقعاتی اعتبار سے ایک بڑا خلاء محسوس ہوتا ہے: اور وہ یہ کہ ایسے سازشی اور برطانوی ایجنٹ کو قائد اعظم جیسے باخبر اور زیرک انسان نے پاکستان کا اولین وزیر خارجہ بنانا کیسے گوارا کر لیا۔ ؟ یہاں یہ بھی عرض کروں کہ اس معاملہ میں فاضل مضمون نگار تنہا نہیں ہیں بلکہ اب تک، اس سلسلہ کے ہر لکھنے والے نے یہی رویہ روا رکھا ہے۔ مگر کیا یہ سوال جو راقم نے اوپر اٹھایا ہے کسی ذہن میں نہیں کھٹکا۔ ؟ اگر کھٹکتا رہا ہے مگر اس کا جواب ہاتھ نہ آ سکا ہے تو یہی لکھ دیا جانا چاہئے تھا کہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے مگر جواب مل نہیں پایا۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہٗ سے راقم الحروف کے بڑوں سے نہایت قریبی تعلقات تھے اس لئے راقم کو بھی حضرت موصوف سے بے تکلفانہ عرض معروض کے مواقع حاصل تھے۔ راقم سطور جون ۱۹۴۹ء میں جب ہجرت کر کے حیدر آباد دکن سے کراچی پہنچا تو ایک روز تنہائی میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے یہی عاجزانہ سوال کر ڈالا کہ حضرت اور تو اور آپ نے سرظفر کی بحیثیت وزیر خارجۂ پاکستان تعیناتی کیسے گوارا فرمائی اور قائد اعظم سے احتجاج کیوں نہیں فرمایا۔ ؟ اس پر حضرت موصوفؒ نے یہ جواب دیا کہ " بھائی یہ معمہ کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ دہلی سے چلنے چلنے تک یہ صورت تھی کہ جب بھی کسی نے جناح صاحب کے سامنے سرظفر اللہ کے وزیر خارجہ بنائے جانے کا ذکر کیا تو انہوں نے یہی فرمایا کہ یہ کیسے ممکن ہے جبکہ اس شخص کو مسلمانوں کے دونوں گروہ سنی اور شیعہ کافر سمجھتے ہیں۔ قائد اعظم کے اس جواب کے بعد ہم کو یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ سرظفر اللہ کا نام کبھی پاکستان کے وزراء کی فہرست میں آ سکے گا۔ مگر جس دن کابینہ کا سرکاری اعلان ہوا ہے اور اس میں وزارت خارجہ کے عہدہ پر اس کا نام آیا ہے تو ہم ششدر ہو کر رہ گئے۔"

یقیناً حضرت اقدس عثمانیؒ اس کی کنہہ سے لاعلم رہے مگر پاکستانی بساطِ سیاست کے سنی عقیدہ اور

پاکستان دوست دو ایک مہرے اب بھی زندہ ہیں، ان کی خدمت میں یہ سوال رکھ کر اس کے مضمرات معلوم کئے جا سکتے ہیں، اور کئے جانے چاہئیں، ورنہ ایک ایسا خلاء رہ جائے گا جس پر تاریخ پاکستان کے دین دوست متلاشی حیران رہ جائیں گے اور انہیں شکوک و شبہات کی تاریکی میں جو بھی ہاتھ لگ جائے مجبوراً اسی کو حقیقت سمجھنے اور بتلانے لگیں گے۔

دوسری طرف دیکھا جا رہا ہے کہ اس وقت قادیانی ٹولہ اپنی تائید میں بلند آہنگی سے یہی کہہ رہا ہے کہ اگر ہم غیر مسلم ہوتے تو قائد اعظم ہمارے سر ظفر کو پہلا وزیر خارجہ کیسے منتخب فرماتے۔؟

مضمون محولہ بالا میں چوہدری رستم علی صاحب سر ظفر کے لئے "آپ" کی بجائے "وہ" اور "انہوں" کے ضمائر استعمال فرماتے تو ثقاہت بھی باقی رہتی اور تکریم بھی لازم نہ آتی۔

(مولانا غلام محمد ایم۔ اے۔ کراچی)

پاکستان میں شیعہ آبادی کا تناسب کیا ہے | ماہنامہ الحق نے "پاکستان میں موجودہ شیعہ آبادی" کے عنوان سے ایک تحقیقی مضمون شائع کیا تھا جس میں بہ دلائل ثابت کیا ہے کہ پاکستان میں شیعہ کل آبادی کا پونے دو فیصد ہیں، اور شیعوں کا وہ فرقہ جو اثنا عشریہ کہلاتا ہے اس سے بھی کم ہے۔ شیعہ انجمنوں کے پاس پاکستان کے ایک ایک، شہر، قصبے اور گاؤں کے شیعوں کی فہرستیں ہیں۔ اگر وہ ہر مقام کے اپنی ملت کے افراد کی تعداد شائع کر دیں تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ ہم نے پاکستان میں شیعوں کی تعداد معلوم کرنے کے لئے سائنٹفک بنیاد پر ایک سروے کیا ہے فیڈرل بورڈ آف ایجوکیشن کے شائع کردہ ثانوی مدارس کے امتحانات کے ۱۹۸۵ء کے نتائج کے گزٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ جن تعلیمی درس گاہوں کے لڑکوں اور لڑکیوں نے اس بورڈ سے دسویں جماعت کا امتحان دیا ہے۔ وہ تمام ملک میں پھیلی ہوئی ہیں اور کچھ بیرون ملک میں ہیں۔ ایسی کل درسگاہیں ۲۵۹ ہیں ان میں ۲۲ بیرون پاکستان ہیں جو پاکستانی سفارت خانوں یا پاکستانی شہریوں کے زیر اہتمام ہیں۔ باقی ۲۲۶ درسگاہیں تمام ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ کوئٹہ، کراچی، حیدر آباد، بدین، پشاور، پاراچنار، بٹ خیلا، چترال، نوشہرہ، بنوں، کوہاٹ، مردان، ایبٹ آباد، حویلیاں، ڈیرہ اسمٰعیل خان، رسالپور، اسلام آباد، راولپنڈی، واہ، ٹیکسلا، سنجوال (ضلع اٹک) اٹک، مری، واہ چھاؤنی، کھاریاں، جہلم، سکیسر، سرگودھا، گوجرانوالہ، لاہور، سیالکوٹ، اوکاڑہ، میلسی، عبدالحکیم (ملتان) ، تھل، بہاولپور، ڈیرہ نواب، ملتان چھاؤنی، شورکوٹ چھاؤنی کے علاوہ ۳۷ درسگاہیں شمالی علاقہ جات (گلگت، بلتستان، ہنزہ، نگر، حویلی) میں ہیں۔ ملک کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی ان درسگاہوں کے دسویں جماعت کے ۱۹۸۵ء کے دینیات کے نتائج حسب ذیل تھے:۔۔۔

	امیدواروں کی تعداد	فیل ہوئے	پاس فیصد
سُنّی	۱۱۹۵۰	۱۹۳	۹۸٫۳۸
شیعہ	۳۰۵	۲	۹۹٫۲۴

یعنی فیڈرل بورڈ آف ایجوکیشن سے ملحقہ ۲۵۹ درس گاہوں سے صرف ۳۰۵ شیعہ طلباء و طالبات نے
زمی دینیات کا امتحان دیا۔ شیعہ اور سنّی امتحان دینے والوں میں شیعوں کا تناسب ۲٫۴۸ فیصد تھا۔ اگر غیر مسلم
یدواروں کو شامل کر لیا جاتے تو کل امیدواروں میں شیعوں کا تناسب اور بھی کم ہو جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اس بورڈ
ے شیعہ دینیات کا دسویں جماعت کا نصاب جداگانہ ہے اور یہ پرچہ بنانے والے اور دیکھنے والے لازماً شیعہ
ریین ہوتے ہیں۔ ان ترغیبات اور دیگر سہولتوں کے پیش نظر شیعہ طلباء شیعہ دینیات ہی کا پرچہ دیتے ہیں۔
شیعہ طلباء ۲٫۴۸ فیصد ہیں تو ملک میں شیعہ آبادی اس سے نصف کے قریب ہوگی سنیوں کی نسبت شیعوں
ہ مالی اور تعلیمی حالت بدرجہا بہتر ہے۔ نیز شیعہ انجمنیں اپنے ہم مذہبوں کو پرائمری سے اعلیٰ تعلیم تک اتنے وظائف
تی ہیں کہ کوئی شیعہ لڑکا یا لڑکی غربت کی بنا پر تعلیم سے محروم نہیں رہتا۔ لہذا ملک میں شیعہ آبادی کا تناسب
نے دو فیصد سے کم ہے۔

باچا خان اور ملا آج تک یہ خیال تھا کہ باچا خان کے خلاف سارے الزامات مسلم لیگیوں کے گھڑے
ئے ہیں، چونکہ مسلم لیگ سے نفرت رہی ہے۔ اس لئے باچا خان کو قابل قدر جانا لیکن ان کی اپنی کتاب پڑھ کر
ھکا لگا۔ آپ کی خدمت میں مضمون بھیج رہا ہوں۔ انشاءاللہ آپ شائع فرمائیں گے۔ آپ خود بھی وقت نکالکر
ں کتاب کو پڑھئے اور بروقت اس کا نوٹس لیجئے۔ اس کتاب کو پڑھ کر نہ جانے کتنے لوگ علماء سے بدظن ہو چکے
ں گے۔ خدا ہم کو موجودہ دور کے تمام فتنوں سے بچائے رکھے۔ آمین (ابو عمار قریشی)

افغانستان میں علماء حق کے قتل عام پر افغانی عوام کے شدید ردِّ عمل سے کمیونسٹوں اور دیگر لادینی عناصر
اپنی غلطی واضح ہو گئی ہے، اب وہ سمجھنے لگے ہیں کہ عوام میں علماء کی جڑیں کتنی مضبوط ہیں اور وہ ان کا کتنا
رام کرتے ہیں۔ اس سے سبق حاصل کر کے انہوں نے اب یہ پالیسی وضع کی ہے کہ پہلے ملا کو خوب بدنام کرد
سے عام آدمی کی نظروں میں حقیر بنا دو یہاں تک کہ جب اس کو قتل کیا جائے تو اس پر رونے والی آنکھ نہ ہوں
باچا خان نے ہمیشہ نجی محفلوں میں مذہبی شعار کا مذاق اڑایا ہے۔ ملا کو برا بھلا کہا ہے۔ لیکن عوام میں انہوں
ے تقیہ سے کام لیا ہے۔ چونکہ یہ سب کچھ ان کی نجی محفلوں تک محدود رہا اس لئے علماء کرام خاموش رہے، اب جبکہ
ن کی مستقل پالیسی بن گئی ہے۔ اور انہوں نے تقیہ کرنا بھی چھوڑ دیا ہے، ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم عوام تک اپنی بات
پائیں اور ان کو سمجھائیں کہ اصل حقائق کیا ہیں۔ —— باچا خان قوم پرست ہیں اور بظاہر وہ سارے سرحد کا

درد دل میں لیئے ہوئے ہیں لیکن اندرونِ خانہ وہ ان تمام طبقوں کا دشمن ہیں جو غیر پختون کہلاتے ہیں ددیہ
غیر پختون سرحدی عوام کے بارے میں تو فی الحال انہوں نے کچھ نہیں کہا ہے کیونکہ ان کو ان کی ضرورت ہے
میاں اور ملا کو تو بڑی بیباکی کے ساتھ پختون برادری کی لسٹ سے خارج کر دیا ہے۔ گویا خدا نخواستہ اگر
بنتا ہے تو میاں اور ملا اقلیت کی حیثیت سے وقت گذاریں گے۔ اپنی کتاب "میری زندگی اور جدوجہ
لکھتے ہیں: پٹھانوں کی تاریخ میں بارہا ایسا ہوا ہے کہ جب اقتدار کا موقعہ آیا ہے تو اپنے بھائی اور عزیز
انہوں نے میاں اور ملا کو اپنے اوپر مسلط کر لیا ہے۔ ص ۱۲۲ پشتو ایڈیشن ـــــ سوال یہ ہے کہ میا
ملا ان کا بھائی اور عزیز نہیں۔؟

سرحد کے علماء کے ساتھ ان کی دشمنی کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان کے غیر اسلامی حرکات پر تنقید کیا کہ
مثلاً انہوں نے ان سے ان ہی کے فائدہ کی خاطر گذارش کی کہ آپ داڑھی رکھیں تو انہوں نے ان کے جواب
کچھ کہا وہ خود ان کی کتاب میں دیکھئے: "میں وعظ و نصیحت کرتا لیکن ملاؤں کو پسند نہ آتا۔ اس لیئے کہ یہ
پنڈتوں کی طرح اپنے آپ کو مذہب کا ٹھیکیدار سمجھتے ہیں ـــــــــ آخر کار انہوں نے پروپیگنڈہ
کیا کہ یہ شخص داڑھی منڈواتا ہے ـــــــ قوم بھی جاہل تھی، ملا نے جس چیز کو مذہب کہا اس نے یقین
حال یہ ہے کہ مذہب تو عمل کا نام ہے، اخلاق کا نام ہے۔ داڑھی اور مونچھوں کا رکھنا عربوں کی تہذیب
حصہ تھا۔ صرف صحابہؓ نے داڑھیاں نہیں رکھی تھیں۔ ابولہب اور ابوجہل جیسے دشمنانِ اسلام بھی ڈاڑ
تھے۔ بہرحال ملاؤں کے اعتراض سے بچنے کی خاطر میں نے داڑھی رکھ لی۔ لیکن اب انہوں نے پھر اعتراض
شروع کر لیا کہ یہ مٹھی سے کم ہے۔ ص ۸۸-۸۹

داڑھی اور داڑھی رکھنے والے کے ساتھ ان کی دشمنی کا اندازہ اس سے لگایئے کہ ان کی کتا
جدوجہد آزادی کے دوران کہے گئے بیشمار اشعار میں سے جس شعر کو جگہ ملی ہے وہ یہ ہے ؎

ما وے دا سړی زموږ کور کښې خلل دی اوس دا ولیدچه د ږیرې خاوند غل دی

ترجمہ: میں نے کہا تھا کہ یہ آدمی ہماری قوم میں خلل ہے اب تم نے دیکھ لیا کہ داڑھی والا چور ہے۔
اس شعر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "یہ شعر اتنا مشہور ہوا کہ داڑھی والا جہاں بھی نظر آتا لوگ چیخ
"داڑھی والا چور" یہاں تک کہ قصہ خوانی بازار میں داڑھی والا چل پھر نہیں سکتا تھا۔ ص ۳۴۰۔

پٹھانوں کے محسن علماء کرام نے ان کو ہندو تہذیب سے بچانے کی خاطر ہر ممکن کوشش کی۔ ہندوؤں کے
موسیقی عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔ ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی کہ مسلمانوں کو اس کے ذریعے اپنے قریب لا
اور پھر اپنی تہذیب کے رنگ میں رنگا جائے۔ نورِ خدا سے دیکھنے والے علماء ہندوؤں کے عزائم سے واقف

انہوں نے مسلمانوں کو سختی کے ساتھ موسیقی سے منع کیا تھا، اس دوران میں مسلمانوں میں سے ایک شخص موسیقی
ل بن گئے اور اس کو اتنی ترویج دی کہ ہندو عش عش کر اٹھے۔ اس کا اثر آج تک اتنا گہرا ہے کہ جب یہ لوگ
ے شہداء کا ماتم کرنے جاتے ہیں تب بھی ڈھول باجا کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ اس بارے میں مذکورہ
ہ کے ص ۳۵۶ ، ۳۵۷ میں رقمطراز ہیں " ہمارے علاقہ میں ملاؤں نے ڈھول سرنا منع کیا تھا ـــــ ہم نے
ے سے کہا " لاؤ ڈھول " وہ بہت خوش ہوئے اور خدائی خدمتگار بن گئے ۔ "

ڈھول باجا اور ناچ رنگ کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں : " شام کو ہم بحری جہاز میں سوار
ـــــ سامان رکھ لیا تو قطار میں کھڑے ہو گئے اور جہاز ہی سے ڈھول بجانا شروع کر لیا۔ ساحل پر موجود
ناچنے لگے ص ۴۲۶

ہندوؤں کے لئے ان کی فراخدلی کا یہ عالم تھا کہ وہ خدا کے حلال کردہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرنے میں
یں کیا کرتے تھے مشہور خدائی خدمتگار محمد اسلام نسیم باعزانزئی نے اپنی پشتو تصنیف " سپین صبا "
اہے (جیل میں) انہوں نے گیتا اور گرنتھ کی تعلیم ہندو علماء سے حاصل کی اور گوشت کھانا ترک کر دیا۔ ص ۴۶
سرحد کا ملا انگریز دشمنی میں ان سے کم نہیں لیکن دونوں کے محرکات میں فرق ہے۔ ملا کی دشمنی کا محرک
وہ " لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ " کا دشمن تھا جبکہ باچا خان کی دشمنی کی وجہ صرف یہ تھی وہ ہندوستانی نہیں
ن یہ بات کہ وہ کافر تھا باچا خان سرے سے اس کا قائل ہی نہیں، ان کے ہاں یہودیت، عیسائیت ،
ت اور اسلام سارے برحق مذاہب ہیں۔ فرماتے ہیں : " حقیقت یہ ہے کہ سارے آسمانی مذاہب برحق
ص ۱۲۹ ، ۱۳۰ حالانکہ دوسرے آسمانی مذاہب برحق تھے اور اسلام برحق ہے۔ " تھے " اور " ہے "
نہ کرنا دھوکہ دہی ہے۔ افغانستان میں یوم پختونستان کے موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں : " مذہب
نوں ہم پٹھانوں نے جتنا نقصان اٹھایا ہے شاید ہی دنیا کی کسی قوم نے اٹھایا۔ پشتو پمفلٹ " دپختونستان
پہ مناسبت " ص ۴ پھر فرماتے ہیں : " میں نے آپ سے ابھی ابھی کہا کہ آج یہ اسلام اور دوسرے
نفرت پیدا کرنے اور دھوکہ دینے کے لئے ہیں۔ ص ۱۰ قارئین سمجھ چکے ہوں گے کہ اصل حقیقت حال
؟ ...

(ابو عمار قریشی)

سوانح نگاروں کی نسبی تعلق میں بے احتیاطی | ماہنامہ الحق کے جنوری ۱۹۸۶ء کے شمارے میں " چند یادیں "
ن سے حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب اثر افغانی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں اُن کے قلم
لغزشیں ہوگئی ہیں اور انہوں نے " سید سازی کی مہم " کے تحت حضرت مولانا قاری ثناء اللہ پانی پتی ؒ
تفسیر مظہری، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن ؒ، حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری ؒ اور مولانا ابوالکلام آزاد

کو حسنی سید لکھا ہے، حالانکہ ان میں سے ایک بھی سید نہیں تھا۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کا نسبی تعلق چشتیہ سلسلہ کے گل سر سبد حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء رحمہ اللہ کے ساتھ تھا اور موصوف نسباً عثمانی تھے۔ قاضی صاحب کے اخلاف سے پروفیسر حافظ منظور الحق عثمانی، خضری مسجد سمن آباد لاہور کے قریب رہتے ہیں، موصوف گورنمنٹ کالج اصغر مال راولپنڈی، سرور شہید ڈگری کالج گوجر خان اور گورنمنٹ ڈگری کالج مری کے پرنسپل رہ چکے ہیں۔ ان کے پاس خاندانی شجرہ موجود ہے۔ اس لئے قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کو حسنی سید کہنا درست نہیں۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اُموی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے احوال و آثار پر ڈاکٹر اقبال حسن خان اُستاد شعبۂ دینیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ کی نگرانی میں ایک تحقیقی مقالہ لکھا تھا جس پر انہیں ڈاکٹریٹ ملی تھی۔ یہ مقالہ اب کتابی صورت میں طبع ہو چکا ہے۔ اس میں حضرت شیخ الہندؒ کو اموی النسل لکھا ہے۔ اس لئے انہیں حسنی سید لکھنا بڑی زیادتی ہے۔

مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کا نسبی تعلق سری نگر کے مشہور بزرگ شیخ مسعود نروریؒ سے تھا اور ان کا شجرۂ نسب امام الاعظم ابو حنیفہؒ کے دادا زوطی سے جا ملتا ہے۔ ڈاکٹر قاری محمد رضوان اللہ مرحوم نے "مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ پر تحقیقی مقالہ لکھ کر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری لی تھی۔ یہ مقالہ بھی علی گڑھ سے طبع ہو چکا ہے۔ اس میں مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کا شجرۂ نسب موجود ہے۔

سری نگر کے معروف اسکالر عبدالرحمن کو ندو نے " الانور " کے عنوان سے مولانا محمد انور شاہؒ کی سوانح حیات شائع کی ہے۔ اس موضوع پر طبع ہونے والی یہ سب سے وقیع کتاب ہے۔ انہوں نے بھی مولانا کشمیریؒ کو امام اعظم ابو حنیفہؒ کا ہم جد بتایا ہے۔

تاریخ اس پر شاہد ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے پونے پانچ صدیاں قبل ایران کے حکمران کوروش نے اپنی مملکت کی سرحد دریائے سندھ تک بڑھالی تھی۔ وہ سندھ سے ڈیڑھ لاکھ کے قریب جاٹوں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گیا اور انہیں شط العرب میں آباد کیا وہاں یہ جاٹ " زط " کہلانے لگے اور انہی میں سے زوطی پیدا ہوا جو امام اعظم ابو حنیفہؒ کا دادا تھا۔ مولانا محمد انور شاہؒ کا سلسلۂ نسب امام صاحب کے چچا حارث بن زوطی سے ملتا ہے۔ اس لئے انہیں حسنی سید بتانا بڑی زیادتی ہے۔

اب رہے مولانا ابو الکلام آزاد، تو ان کی زندگی میں مولانا عبدالشاہد خان شروانی نے مولانا آزاد اور نواب حبیب الرحمن خان شروانی کی خط و کتابت " کاروان خیال " کے عنوان سے شائع کر دی تھی۔ ان کے ان دونوں بزرگوں کے ساتھ نیاز مندانہ تعلقات تھے۔ کاروان خیال کے دیباچے میں مولانا عبدالشاہد خان شروانی

نے مولانا آزاد کو "صدیقی نسل کا چمکتا ہوا چراغ" لکھا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مولانا آزاد حسنی سید نہیں تھے اور مولانا اثر افغانی نے خواہ مخواہ ان کا حسب نسب تبدیل کر دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا آزاد صدیقی النسل بھی نہیں تھے اور نہ ہی ان کا آبائی "وطن" دہلی مرحوم تھا کرنل خواجہ عبدالرشید نے پنجاب کے فارسی گو شعرا کے تذکرہ میں ان کا نام "ابوالکلام آزاد پنجابی" لکھا ہے۔ موصوف کے والد صوفی خیرالدین، جو کلکتہ جا کر پیر بن گئے تھے، اور ان کے دادا عمرالدین کھیم کرن (ضلع امرتسر) کے رہنے والے تھے اور اُن کا پیشہ دباغت تھا۔ آزادیٔ ہند کے بعد کھیم کرن میں مولانا آزاد کی یادگار بھی تعمیر ہوئی ہے کھیم کرن کے بڑے بوڑھے جو آزادیٔ وطن کے بعد وہاں سے ہجرت کر کے پاکستان آگئے

اُن کے خاندان سے متعارف ہیں۔

ہمارے ہاں ہندوانہ اثرات کے تحت ذاتوں اور گوتوں میں اونچ نیچ کا فرق پایا جاتا ہے اور لوگوں نے پیشوں کو ذاتیں بنا لیا ہے۔ ہمارے اکابر میں جو عرب و ایران کے ماحول میں بڑے اور پلے، وہ اپنے نام کے ساتھ غزالی، نساج، قدوری، باقلانی، قفال، حلوائی، حلاج اور دباغ بڑے فخر کے ساتھ لکھتے رہے، لیکن برعظیم پاک و ہند کے ہندوانہ ماحول میں ایسی نسبتیں رکھنے والوں کو معاشرے کا گھٹیا فرد سمجھا جاتا ہے

ہمارے ہاں نسب بدلنے کی جو وبا پھیل چکی ہے یہ اسی کا ادنیٰ کرشمہ ہے کہ ہمارے دیکھتے دیکھتے لوگوں نے اپنے نسب تو بدلے ہی تھے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ، حضرت شیخ الہندؒ، مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا ابوالکلام آزاد کو بھی نہیں بخشا۔ (پروفیسر محمد اسلم۔ لاہور)

تصحیح | دسمبر کے الحق میں میرے مضمون محمد ابن علی السنوسی کی تاریخ پیدائش ۱۸۸۷ء چھپ گئی ہے جبکہ صحیح ۱۷۸۷ء ہے۔ (حافظ سید خالد محمود گورنمنٹ کالج ٹاؤن شپ)
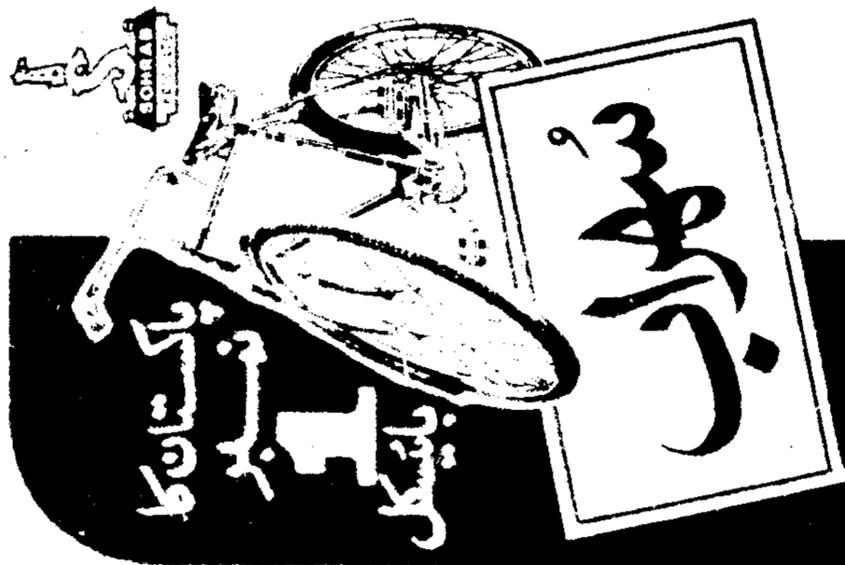
شاہ بلیغ الدین صاحب

وَاہ وَاہ

اردو زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر کرنے والوں میں ایک مولانا عبدالقدیر حسرت بھی شامل ہیں۔
بڑے کڑھے ہوئے بزرگ تھے۔ ۹۱، ۹۲ برس کی عمر میں انتقال ہوا۔ لیکن علم حاضر تھا۔ دکن میں ہزاروں لوگ
ان کے مرید تھے اور ہزاروں ہی کی تعداد ان کے شاگردوں کی تھی۔ جامعہ عثمانیہ میں شعبۂ عربی کے پروفیسر گیا
استاذ الاساتذہ تھے۔ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر عبداللطیف، ڈاکٹر ولی الدین۔
ڈاکٹر زور اور یونی ورسٹی کے بہت سے پروفیسر ان کے نیازمندوں میں تھے۔ دہلی کے پروفیسر ضیاء الدین اور
علی گڑھ کے ڈاکٹر عبدالعزیز میمن۔ عربی دانی میں ان کے برابر کے بزرگ تھے۔ قدیم عربی پر ان کی ایسی گہری
نظر تھی کہ مصر اور بیروت سے مخطوطات اصلاح اور ترتیب کے ان کے پاس آتے تھے۔ علم تھا سو تھا، صاحب
دل بھی تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے سنا کہ ایک بزرگ حیدرآباد آئے ہیں۔ اور ان کے ایک عزیز کے پاس ٹھہرے
ہوئے ہیں۔ یہ عزیز تھے کرنل حبیب جو خود بھی بڑے اللہ والے اور مولانا کے مریدوں میں شامل تھے۔ آنے
والے بزرگ جو ان کے گھر میں مقیم تھے۔ اورنگ آبادی تھے۔ کرنل حبیب کو معلوم ہوا کہ مولانا ملاقات کے
لئے تشریف لائے تھے تو گھر سے آ گئے۔ اور مولانا کو احترام سے اندر لائے۔ اور ان بزرگ حضرت محبوب علی
شاہ کے حجرے کی طرف رہنمائی کر دی۔ خود ساتھ اندر نہ گئے۔

بزرگوں اور اہل علم کا احترام کرنا ہر مسلمان مرد عورت کا فریضہ ہے۔ اس بارے میں لاپرواہی وہی کرتے
ہیں جو بدنصیب ہوتے ہیں۔ کوّا جب ہنس کی چال چلنے لگتا ہے تو اپنی چال بھی بھول جاتا ہے۔ ہماری نئی
نسل مغربی رنگ میں کچھ اس طرح رنگی جا رہی ہے کہ مشرقی تہذیب اور شائستگی کے ان انمول اصولوں کی
ذرا پروا نہیں۔ آج ہمارے ملک میں کسی شہر کسی بستی، کسی محلے کے بچوں کو دیکھئے کسی بڑے بوڑھے
عالم فاضل کی عزت نہیں کرتے۔ اپنے دوستوں کے بزرگوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔

نئی نسل میں بعض بچوں کی اٹھان جس شان سے ہوئی ہے اس کا اندازہ لگانا ہو تو جدہ میں مقیم پاکستانی بیٹی کے
یہ جملے ذہن میں رکھئے گا ــــ ہم تو آج کل جب بھی خانہ کعبہ میں جاتے ہیں تو یہ ایک ہندو (ایکٹر) کی صحت یابی

کے لئے دعا مانگتے ہیں۔ اردو ڈائجسٹ دسمبر ۱۹۸۲ء کے شمارے میں درج ہے کہ امت کی اس غیرت مند بیٹی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:۔

کاش پاکستان نہ بنا ہوتا تو ہم بھی پھر کے ہندوستانی فلمیں دیکھ سکتے۔ اور آزادی سے بمبئی آجا سکتے۔ وہاں اپنے دل پسند اداکاروں سے ملتے رہتے ۔۔۔ یہ ارشاد فرمانے والی کسی ایرے غیرے کی بیٹی نہیں ہیں۔ پاکستان کے ایک سفارت کار کی صاحب زادی ہیں۔ آزادی کے لئے مسلمانوں کی دو سو سالہ جدوجہد کی کوئی اہمیت کیا مٹی پلید کرے گا؟ سلطان ٹیپو، سید احمد شہید، سید احمد خان، محمد علی، اقبال اور قائداعظم کی روحیں اس بیٹی کو اور اس کے گھرانے کو دعائیں دے رہی ہوں گی۔ یہ بات اس خطے کی نئی نسل کے بارے میں کہی جا رہی ہے جو ۲۷ویں رمضان کو دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت بن کر دنیا کے نقشے پر ابھرا۔ اگر ہم ہی اسلام کے اصولوں سے بیگانہ ہو گئے اور شائستگی کو چھوڑ بیٹھے اور حبیبی بن گئے تو شکایت کس سے ہو گی؟

مولانا دروازے پر اجازت کے لئے رک گئے۔ تو کرنل صاحب دروازے کی اوٹ میں کھڑے ہو کر دیکھنے لگے۔ ادھر حضرت جی استغراق کے عالم میں تھے۔ آہٹ سن کر بغیر آنکھیں کھولے پوچھا ۔۔۔ کون صاحب ہیں؟

مولانا صاحب نے فرمایا ۔ قادری! سوال ہوا ۔۔۔ کیا قادر کا ہاتھ مضبوط پکڑ لیا ہے؟ جواب ملا میری کیا مجال کہ اس کا ہاتھ پکڑ سکوں۔ یہ تو اس کا کرم ہے کہ مجھے تھام رکھا ہے۔ حضرت نے بند آنکھوں ہی میں پوچھا! آپ کرتے کیا ہیں؟ جواب میں مولانا عبدالقدیر نے کہا۔ اللہ میاں کی واہ واہ کرتا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ ۔۔۔ بڑی بڑی باتیں کر رہے ہو۔ مولانا نے فرمایا: تین بیویاں اور کتنے ہی پیارے بچے اللہ میاں نے دے رکھے ہیں۔ میں پھر بھی ان کی واہ واہ کرتا رہتا ہوں۔ انشاءاللہ آئندہ بھی یہی کرتا رہوں گا۔

سوال ہوا۔ کہ اس نے جو شیطان بنایا ہے کیا اس کی بھی واہ واہ کرتے ہو؟

مولانا نے کہا۔ ہاں! گھر میں بیت الخلا نہ ہو تو گھر گندا ہو جائے۔ شیطان نے لعنت کا طوق اٹھا رکھا ہے تو اللہ کے بندے لعنتی ہونے سے بچ گئے ہیں۔

پھر کچھ دیر خاموشی رہی اور کرنل حبیب نے دروازے کے پاس آکر کہا:۔

حضرت جی یہ پروفیسر عبدالقدیر ہیں ۔۔۔ جواب ملا۔ یہ تو فقیر ہے فقیر۔ ہمارا دوست ہے۔ پیچھے دن ہی دل کو پہچانتا ہے۔

خطوکتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے اپنا پتہ صاف اور خوشخط تحریر فرمائیے

تہذیب کا چمن زار اِس پھول کی دین ہے

کپاس کے پھول سے حاصل ہونیوالی روئی کے پارچے کی صنعت انسانی تہذیب کے اولین کارناموں میں ہے، دریائے سندھ کی وادی میں پائے جانے والے ۵ ہزار سال قبل کے آثار اس کے شاہد ہیں۔

آج بھی روئی کو پاکستان کی ترقی اور خوشحالی کی علامت کہا جاسکتا ہے۔ جس پر ہماری سب سے بڑی صنعت اور ہر جہتی ترقی کا دارومدار ہے۔ ملک کی بہت بڑی آبادی کی معاش، روئی کی کاشت، کاروبار اور متعلقہ صنعت پر انحصار رکھتی ہے۔

کاٹن ایکسپورٹ کارپوریشن آف پاکستان اس بات کیلئے کوشاں ہے کہ ہماری یہ سب سے بڑی تجارتی فصل برابر ترقی کرتی رہے اور ملک کے لیے مزید نفع بخش ثابت ہو۔

ہڑپا سے برآمد ہونے والا ایک منقش مٹکا

کاٹن ایکسپورٹ کارپوریشن آف پاکستان لمیٹڈ

اسٹیٹ لائف بلڈنگ نمبر ۳ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد روڈ
پوسٹ بکس ۳۰۳۸ کراچی پاکستان۔ کیبل ایکسکو
ٹیلیکس ۲۶۲۸ - ایکس کوٹ پی کے - ۲۰۹۳ - ۲ - ایکس کوٹ پی کے
فون ۵۹ - ۵۶ - ۵۱۶۰